4:59
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

مثنویاتِ شوق

[فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق]

نوّاب مرزا شوق لکھنوی

مُرتّب

رشید حسن خاں

rekhta

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:00
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

مثنویاتِ شوق

rekhta

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:00
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

بابائے اُردو مولوی عبدالحق سیریز : ۴۷

مثنویاتِ شوق

[فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق]

نوّاب مرزا شوق لکھنوی

مرتبہ
رشید حسن خاں

انجمن ترقی اُردو (ہند)، نئی دہلی

3
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:00
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

سلسلۂ مطبوعاتِ انجمن ترقیِ اردو (ہند)، ۱۴۷۴

© رشید حسن خاں

سنہِ اشاعت : ۱۹۹۸ء
قیمت : ۱۳۰/ روپے
بہ اہتمامِ : اختر زماں
طباعت : ثمر آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی

MASNAVIAT-E-SHAUQ

Edited by:
Rasheed Hasan Khan

Price : Rs. 130/-
1998

ISBN-81-7160-095-6

ANJUMAN TARAQQI URDU (HIND)
URDU GHAR : 212 ROUSE AVENUE
NEW DELHI-110002

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:00
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

فہرست

پیش لفظ — ڈاکٹر خلیق انجم

(۱) مقدمۂ مرتب:

تمہید	۱۱
حالاتِ زندگی	۲۳
مثنویاتِ شوق کی تعداد	۳۱
زمانۂ تصنیف	۳۷
منعِ اشاعت	۶۵
مطبوعہ نسخے	۸۷
ذیلی عنوانات	۱۰۶
ہیروئنوں کے نام	۱۰۸
اشعار کی کمی بیشی	۱۱۱
تکرار	۱۱۷
مثنویاتِ شوق کے مآخذ	۱۱۹
(الف) کیا یہ مثنویاں شوق کی سرگذشت ہیں ؟	
(ب) وجہ تصنیف	۱۲۸

5
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:00
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

زبان اور بیان	۱۴۷
طریقِ کار	۱۵۶
② متنِ مثنویات :	
○ فریبِ عشق	۱۶۹
○ بہارِ عشق	۱۹۴
○ زہرِ عشق	۲۴۲
③ ضمیمہ ۱ : تشریحات	۲۷۳
④ ضمیمہ ۲ : تلفظ اور املا	۳۳۵
⑤ ضمیمہ ۳ : اختلافِ نسخ	۳۵۹
⑥ ضمیمہ ۴ : الفاظ اور طریقِ استعمال	۳۶۹
⑦ فرہنگ	۳۷۷

rekhta
6
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

پیش لفظ

نواب مرزا شوق لکھنوی کی مثنویاں دبستانِ لکھنؤ کے ادبی ذخیرے کا قابلِ قدر حصہ ہیں. یہ ٹھیک ہے کہ کہانی کے لحاظ سے تو اُن کی تینوں مثنویوں [فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق] کا احوال ایک سا ہے کہ نہ واقعات کے پیچ و خم ہیں، نہ کردار نگاری کی رنگا رنگی ؛ لیکن زبانِ لکھنؤ کی نفاست اور لطافت کی جیسی آئینہ داری یہ مثنویاں کرتی ہیں، وہ بات دوسروں کے یہاں اُس انداز سے نظر نہیں آتی. لکھنوی تہذیب کی نرمی اور لوچ اِن مثنویوں کی زبان میں سما گیا ہے. زبانِ خواتین کا ریشمی پن اشعار میں جھلک رہا ہے اور بیان کی لطافت اشعار سے چھلکی پڑتی ہے. بہ قولِ مولانا عبدالماجد دریابادی : "محاورات پر یہ عبور، روزمرہ پر یہ قدرت، بیان کی یہ سلاست کیا ہر شاعر کے نصیب میں ہوتی ہے ؟" اور پھر مثنوی زہرِ عشق ہے، جس میں بے ثباتیِ دُنیا کا بیان آج بھی دلوں کو بے طرح متاثر کرتا ہے اور آدمی کچھ دیر کے لیے سب کچھ بھول جاتا ہے.

پھر یہ محض زبان اور بیان کے لحاظ سے قابلِ قدر نہیں، اِن کی بڑی اہمیت یہ ہے کہ یہ مثنویاں لکھنوی تہذیب کے بعض بہت روشن اور تاریک، دونوں پہلو ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں. اِس طرح سماجی محرکات اور تہذیب کے اثرات پر کام کرنے والوں کے لیے اِن مثنویوں کا مطالعہ ازبس ضروری ہے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

5:01
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

رشید حسن خاں نے نہ صرف متنی تنقید کے بنیادی اصولوں پر بڑی تعداد میں مضامین لکھے ہیں بلکہ عملی متنی تنقید کے اعلا ترین نمونے بھی پیش کیے ہیں۔ متنی تنقید پر میری تھوڑی بہت نظر ہے، اِس لیے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اردو میں رشید حسن خاں کے پایے کا کوئی اور متنی نقاد ابھی تک پیدا نہیں ہوا۔ خاں صاحب کو متنی تنقید کے سائنٹفک طریقوں پر قدرت حاصل ہے۔ وہ املا اور تلفظ کے ماہر ہیں، اِسی لیے وہ متن کا جس طرح تنقیدی اڈیشن تیار کرتے ہیں، وہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ انجمن اب تک اُن کے مرتبہ تین کلاسکی متون باغ و بہار، فسانۂ عجائب اور گلزارِ نسیم شائع کر چکی ہے۔ مثنویاتِ شوق اِس سلسلے کی چوتھی کتاب ہے۔

عام شکایت ہے کہ اردو میں کتابیں فروخت نہیں ہوتیں اور یہ حقیقت بھی ہے اِس لیے اب اردو ناشر عام طور سے سو ڈیڑھ سو صفحے سے زیادہ کی کتاب شائع نہیں کرتے، لیکن انجمن نے خاں صاحب کی جو کتابیں چھاپی ہیں، اُن میں سے ہر کتاب سات سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اردو کے اہلِ ذوق نے اِن کتابوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔ ان میں سے دو کتابوں کے دو دو اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اِن کلاسکی متون کو مرتب کرنا لوہے کے چنے چبانا ہے۔ رشید حسن خاں ہی کی ہمت ہے کہ وہ ایسی دشوار منزلوں سے انتہائی کامیابی کے ساتھ گزرتے ہیں، خدا ان کو تندرست اور سلامت رکھے اور اِس طرح کے مزید کام کرنے کا حوصلہ دے۔

خلیق انجم
جنرل سکریٹری انجمن ترقیِ اُردو [ہند]

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:01
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

مقدّمہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:01
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

تمہید

"لکھنؤ ہے اور واجد علی شاہ "جانِ عالم" کا لکھنؤ۔ ہر لب پر گُل کا افسانہ، ہر زبان پر بلبل کا ترانہ۔ ہر سر میں عشق کا سودا، ہر سینے میں جوشِ تمنا۔ ہر روز میلوں ٹھیلوں کا ہجوم، ہر شب گانے بجانے کی دھوم۔ یہاں رہس کا سوانگ رچا ہوا، وہاں اندر سبھا کی پَریوں کا پَرا جما ہوا۔ اِدھر زبان پر ضلع جگت اور پھبتیاں، اُدھر گلے سے نکلی ہوئی تانیں اور ہاتھوں سے بجتی ہوئی تالیاں۔ ہر طرف رندی و سرمستی کا جوش و خروش، ہر گوشۂ بساط "دامانِ باغبان و کفِ گل فروش"۔ بڑے بڑے متین اور ثقہ، گویّوں اور سازندوں کی سنگت پر مجبور۔ بڑے بڑے مُہذّب اور مُقطّع، بھانڈوں اور ڈھاڑیوں کا بہروپ بھرے ہوئے۔ اچھے اچھے سفید پوشوں کے دامن ابیر اور گلال کی پچکاریوں سے لالوں لال۔ بھاری بھاری پگڑیاں اور عمامے پیشوازوں کی گردش پر نثار۔

اِس "جنّتِ نگاہ" و "فردوسِ گوش" کی فضا میں ایک حاذق حکیم تصدّق حسین نامی آنکھیں کھولتے ہیں۔ عالمِ دین نہیں، صوفی و درویش نہیں، مصلحِ معاشرت نہیں؛ ایک یار باش، زندہ دل، رند مشرب آدمی۔ اہلِ بزم کے خوش کرنے کو شعر و شاعری کا ساز لے کر بیٹھے تو اُنگلیاں اُنھیں پردوں پر پڑیں جن کے نغمے کانوں میں رچے ہوئے تھے اور منہ سے بول نکلے تو وہی جن کے نقشے آنکھوں میں جمے ہوئے تھے" [مولانا عبدالماجد دریابادی]۔

نواب مرزا شوق کی مثنویاں اُن کی اپنی سرگذشت ہیں، اِس سے تو اختلاف کیا گیا ہے اور بجا طور پر؛ لیکن اِس بات سے شاید ہی کسی نے اختلاف کیا ہو کہ یہ مثنویاں اُس زمانے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:01
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کی لکھنوی معاشرت کی بعض جہتوں کی بہترین ترجمان ہیں۔ یہ گویا تمثال دار آئینے ہیں۔ اِن میں تہذیبی روداد اور شاعری کا ارتکاز ایک نقطے پر نظر آتا ہے اور اُس تہذیبی روداد کے پس منظر میں اودھ کی سیاسی تاریخ کے بعض طاقتور اثرات کا بہ خوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں، چند اشارے کافی ہوں گے؛ یوں ہی یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں۔

اودھ کی حکومت، جس کے آخری فرماں روا جانِ عالم واجد علی شاہ تھے؛ اُس کے پہلے حکم راں نواب برہان الملک تھے؛ جو نسباً سیّد تھے، مذہباً شیعہ تھے، ایرانی النسل تھے، اولوالعزم، بہادر اور جنگ جو تھے۔ تلوار زندگی بھر اُن کے ہاتھ میں رہی اور زندگی کا بڑا حصّہ میدانِ جنگ میں گزرا۔ مغل دربار میں اُن کی بڑی حیثیت تھی۔ اودھ کی حکومت کی سند حسبِ معمول اُن کو مغل بادشاہ سے ملی تھی؛ مگر سب سے اہم بات یہ تھی کہ ہندستان کی تاریخ میں پہلی بار ایک ایسا علاقہ مل گیا تھا جہاں دہلی کے مغل دربار کی طرح اُمرا کی [خاص کر ایرانی اور تورانی امرا کی] وہ کش مکش نہیں تھی جس نے اورنگ زیب کے کم زور اور نااہل جانشینوں کے زمانے میں مغل حکومت کو اختلاف اور تباہی سے بُری طرح دوچار کر رکھا تھا۔ اِس کش مکش کا نقطۂ آغاز ہمایوں کی ایران سے واپسی کو قرار دیا جاسکتا ہے کہ اُسی زمانے سے مغل دربار میں ایرانی امرا کے اثرات نے خاص طور پر فروغ پانا شروع کیا، جب کہ حکم راں خاندان کا نسب نامہ شیراز و اصفہان سے نہیں، ماوراءُ النہری علاقے سے تعلق رکھتا تھا اور یہ بات ہم سب کو معلوم ہے کہ ایران کی قدیم تاریخ ایرانی اور ماوراءُ النہری علاقوں کی آویزش اور دشمنی کی کہانیوں سے بھری ہوئی ہے۔

فیض آباد اُس نئی حکومت کا مرکز تھا۔ لکھنؤ کی اُس وقت کیا حیثیت تھی، اِس کا کچھ اندازہ لکھنؤ کے متعلق میر حسن کے اِس شعر سے بھی کیا جاسکتا ہے:

زبس کوفے سے یہ شہر ہم عہد ہے — اگر شیعہ کہیں نیک اِس کو، بد ہے[1]

---

[1] یہ شعر میر حسن کی مثنوی "گلدستۂ ارم" میں ہے [مثنویاتِ حسن (جلد اوّل)، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی ص ۱۸۸]۔ اِس مثنوی میں لکھنؤ کی مذمّت میں بہت سے شعر ہیں، من جملہ اُن کے یہ دو شعر بھی

(باقی اگلے صفحے پر)

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:01
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

نواب شجاع الدولہ اِس سلسلے کے تیسرے حکم راں تھے۔ وہ بھی تلواروں کے سایے میں مسندِ حکومت پر بیٹھے تھے؛ مگر بکسر کی لڑائی (۱۱۷۸ھ/۱۷۶۴ء) میں انگریزوں سے شکست کھانے کے بعد اُن کی اُس مضطرب زندگی کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا جس نے اُن کو حکومت اور میدانِ جنگ کی تدبیروں میں مصروف رکھا تھا۔ تلوار تو اب بھی اُن کے ہاتھ میں تھی اور فوجوں کے پرے بھی تیے ہوتے تھے؛ لیکن اُن کی زیادہ توجہ فیض آباد کی آراستگی اور طوائفوں کی سرپرستی کی طرف مبذول ہو کر رہ گئی۔ یہاں شرر کے الفاظ نقل کرنا مناسب ہو گا:

"شجاع الدولہ کا طبعی میلان مہ جبیں عورتوں اور رقص و سرود کی طرف تھا، جس کی وجہ سے بازاری عورتوں اور ناچنے والے طائفوں کی شہر میں اِس قدر کثرت ہو گئی تھی کہ کوئی گلی کوچہ اُن سے خالی نہ تھا اور نواب کے انعام و اکرام سے وہ اِس قدر خوش حال اور دولت مند تھیں کہ اکثر رنڈیاں ڈیرے دار تھیں، جن کے ساتھ دو دو تین تین عالی شان خیمے رہا کرتے اور نواب صاحب جب اضلاع کا دورہ کرتے اور سفر میں ہوتے، تو نوابی خیموں کے ساتھ ساتھ اُن کے خیمے بھی شاہانہ شکوہ سے چھکڑوں پر لد لد کے روانہ ہوتے اور اُن کے گرد دس دس بارہ بارہ تمنگوں کا پہرا رہتا۔

جب حکم راں کی یہ وضع تھی، تو تمام امرا اور سرداروں نے بھی بے تکلف یہی وضع اختیار کر لی اور سفر میں سب کے ساتھ رنڈیاں رہنے لگیں۔ اگرچہ اِس سے بداخلاقی اور بے شرمی کو ترقی ہو گئی، لیکن اِس میں شک نہیں کہ اُن شاہدانِ بازاری کی کثرت اور امرا کی شوقینی سے شہر کی رونق بہ درجہا بڑھ گئی تھی۔"

[گذشتہ لکھنؤ، مکتبۂ جامعہ اڈیشن، ص ۵۱]۔

یہیں سے عیش طلبی کی اُس روایت کا آغاز ہوتا ہے جس نے بعد کے حکم رانوں کے زمانے میں خاص کو نصیر الدین حیدر کے زمانے میں بہت فروغ پایا اور مزید ترقی پا کر واجد علی شاہ کے عہد

ہیں: زبس یہ ملک ہے بیہڑ پہ بستا ∴ کہیں اونچا، کہیں نیچا ہے رستا
فراغت سے یہاں کس کا مکاں ہے ∴ ہر اک گھر، غم کا سا دل یہاں ہے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:01
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

میں کسی کو کسی اور کام کا رکھا ہی نہیں تھا۔

شجاع الدولہ کے جانشین آصف الدولہ تھے۔ اُن کو ورثے میں تلوار کے بجائے صرف عیش طلبی ملی تھی۔ وہ اپنے اجداد کے عزم و ہمت سے تہی دامن اور مجہول تعیش کے جذبات سے سرشار تھے۔ اُنھوں نے فیض آباد کے بجائے لکھنؤ کو اپنا مستقر اور مرکزِ حکومت بنایا۔ اُس وقت تک تلوار کی جھنکار فضا میں تحلیل ہو چکی تھیں۔ عسکریت اور سخت کوشی کے وہ سارے عوامل ختم ہو چکے تھے جو اِس خاندان کی یادگار تھے اور وہ روایتیں بڑی حد تک بے نور ہو چکی تھیں جو برہان الملک اور اُن کے رفیقوں کے ساتھ دہلی سے آئی تھیں۔ یہ نئی معاشرت، جس کی تشکیل خاص حالات میں ہوئی تھی، نفاست و لطافت کے عطرِ مجموعہ میں بس چکی تھی اور عیش کوشی کی تمنا اِس کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہی تھی۔ تعیش نے کاہلی، ہوس ناکی، نسائیت اور سطحیت کے فروغ کا سامان فراہم کر لیا تھا۔ صناعی اپنی حدوں سے گزر کر تصنع کا روپ دھار چکی تھی؛ لیکن ملمع کا یہ عالم تھا کہ اِن سب پر مرصع آدابِ زندگی کا دھوکا ہوتا تھا، سچے کام کی چھوٹ پڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ زندگی صلابت کے عناصر سے خالی ہو کر صرف نفاست کے رنگ میں رنگتی جا رہی تھی۔ اِس یک رُخے پن کے اثر سے وہ توازن ختم ہو گیا تھا جو زندگی کو لطف اندوزی اور سخت کوشی دونوں جذبات سے سرشار رکھا کرتا ہے، نسائیت اور مجہولیت کو دور رکھا کرتا ہے اور کسی ایک دائرے کا قیدی نہیں بننے دیتا۔

اودھ کی تاریخ میں ایک اہم موڑ اُس وقت آیا جب انگریزوں نے اپنی تدبیرِ جہاں بانی کے تحت اودھ کے حکمراں غازی الدین حیدر کو بادشاہ کا خطاب عطا کیا۔ برہان الملک کے زمانے سے لے کر اُس وقت تک اودھ کے حکمراں "نوّاب وزیر" کہلاتے تھے اور اپنے آپ کو رسماً اور روایتاً سلطنتِ دہلی کا ماتحت تصوّر کرتے تھے۔ یہ لازم تھا کہ اِس کے بعد یہ نئی بادشاہت ہر لحاظ سے یہ کوشش کرے کہ اُس روایتی زیردستی کے سارے نقش مٹ جائیں اور یہاں وہ سب کچھ نئے انداز کا اور اپنے انداز کا ہو جس سے ایک طرف بادشاہت کے تصوّر کی تکمیل ہوتی ہے اور دوسری طرف ایک متمائز معاشرے کی تشکیل

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:02
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

ہوتی ہے۔ مشکل یہ تھی کہ عسکریت کی روایت پوری طرح ختم ہو چکی تھی۔ زمین کے مالک تو بہ ظاہر نواب وزیر تھے لیکن زمین کی محافظ فوج کے مالک انگریز تھے۔ رزیڈنٹ بہادر کی مرضی کے خلاف کوئی نیا فرماں روا اِس تختِ بادشاہت پر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ مختصر یہ کہ اہم سیاسی اور فوجی مسائل و معاملات کی وسعت ختم ہو چکی تھی، البتہ مذہبی آزادی پوری طرح باقی تھی اور تہذیبی وسعت بڑھتی جا رہی تھی۔ اِس کے بعد یہی ہو سکتا تھا کہ جتنی تبدیلیاں اور ایجادیں اور اضافے ہوں، وہ سب مذہبی رسوم، آدابِ معاشرت اور ادبی روایات سے متعلق رہیں اور یہی ہوا۔ اِس میں شک نہیں کہ جلد ہی لکھنؤ میں ایک نئی معاشرت کا خاکہ تیار ہو گیا، تہذیب کا ایک نیا انداز سامنے آنے لگا، شاعری میں ایک خاص اسلوب نمایاں ہونے لگا اور ایک نئی لسانی روایت بننے لگی؛ مگر تہذیبی مظاہر کی نمود اور تہذیب کی تشکیل و ارتقا کا عمل تو بہت سُست رفتار ہوا کرتا ہے۔ طویل مدت درکار ہوتی ہے مختلف عناصر کو ہم نشیں ہونے کے لیے۔ اگر کوشش کر کے چیزوں کی ظاہری شکل صورت کو بدلا جائے تو پھر مجموعی طور پر تصنع کا اور ساختگی کا رنگ گہرا ہوتا جائے گا۔ سطح پر بہت کچھ ہو گا، جو بہت تاب ناک ہو سکتا ہے، مگر حقیقتاً عالم وہی ہو گا جیسے سارے نقش ریت پر بنائے گئے ہوں۔

اِس نئی تہذیب اور اِس نئے معاشرے کی جس طرح نمود ہوئی اور جن حالات میں کم سے کم مدت میں اُس کو فروغ حاصل ہو گیا، تو اُس میں اندرونی سطح پر یہی کمی تھی کہ ظاہر سب کچھ تھا کہ اِسی سطح پر ساختگی کے اثرات اپنے آپ کو نمایاں کر سکتے ہیں؛ باطن میں خلا تھا۔ اِس معاشرے میں ظاہر آرائی اور ظاہر داری پر جو اِس قدر زور ملتا ہے، اُس کی وجہ یہی ہے۔

ہاں ایک چیز ضرور ایسی ہے جس نے دیرپا اثرات پیدا کیے اور وہ ہے مذہبیت کی طاقتور روایت، جس کا تعلق حقیقی طور پر باطن سے ہوا کرتا ہے۔ مذہب کے اثرات افراد کے احساس کا جُز ہوتے ہیں اور پورے گروہ کی زندگی پر حاوی رہتے ہیں عمل کتنا ہی کم ہو، عقیدہ ذہن کی تہوں میں پیوست رہا کرتا ہے۔ اودھ میں مذہبیت کا فروغ خاص

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:02
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

حالات میں ہوا تھا اور در پردہ اُس میں بھی دہلی کے مقابلے میں ایک نئی نمود اور آزادیِ اظہار کا احساس شامل تھا۔ اِسی احساس نے مذہبیت کے عناصر کو بھی خارجی زندگی سے قریب تر رکھا اور عرفان سے زیادہ اظہار اُن کا اہم جُز رہا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بہت سی ایسی مذہبی رسمیں پیدا ہو گئیں جن کا حقیقتاً شیعہ مذہب سے بالکل تعلق نہ تھا۔ چوں کہ فرماں روایانِ وقت نے اُن کو اختیار کیا تھا، اِس لیے عوام میں اُن کا مقبول ہونا لازم تھا۔ مذہبی عناصر نے، جن کے فروغ کے لیے دہلی کی فضا تنگ معلوم ہوتی تھی اور وہاں ایک کش مکش کا سا عالم رہا کرتا تھا؛ اِس نئی مملکت میں نئے نئے مظاہر اور نئی نئی رسموں کی شکل میں فروغ پایا اور یہ پوری معاشرت پر چھا کر رہ گئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہندستان کے دوسرے علاقوں کے برخلاف یہاں تولّا اور تبرّا کے بے محابا اظہار کو بہت فروغ ملا، تعزیہ داری کا رواج بڑھا، مرثیہ خوانی تہذیبی اور ادبی زندگی کا جُز قرار پائی اور مجلسوں نے تہذیبی اداروں کی سی اہمیّت اختیار کر لی۔ عزاداری، سوز خوانی، امام باڑے، کربلا، درگاہِ حضرت عبّاس، مرثیے کی مجلسیں؛ یہ سب تہذیبی مظاہر کا درجہ رکھتے تھے۔ یہ عجیب بات تھی کہ ایک طرف تو معاشرے میں عیش طلبی اور لذت کوشی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور دوسری طرف عزاداری کا عروج تھا اور اِس سے بھی زیادہ دل چسپ بات یہ ہے کہ اِس سے معاشرے کا حُسن کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ اِن عناصر نے بھی تضاد اور ثنویت، یعنی دُہرے پن کو معاشرت کا نہایت حسین جُز بنا دینے میں بہت کامیابی حاصل کی اور تصنّع کو فروغ بخشا۔

جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے، عسکریت کے فقدان کے سبب معاشرے میں توازن نہیں رہا تھا۔ نفاست نے بڑھتے بڑھتے نسائیت سے اپنے کو قریب تر کر لیا تھا۔ شرر کے الفاظ میں:

"چوں کہ اب سپہ گری و جنگ جوئی کی بہت ہی کم ضرورت باقی تھی، عیش پرستی اور عورتوں کی صحبت بہت بڑھتی جاتی تھی، اِس لیے مَردوں پر عورتوں کی وضع کا اثر پڑنے لگا جو اعتدال سے باہر ہو گیا اور جس قسم کی زینت و آرایش عورتوں کے لیے موزوں ہے، مردوں نے اپنی وضع اور

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:02
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

لباس میں اختیار کرنا شروع کر دی، خصوصاً اُس زمانے سے جب کہ یہاں کے حکم رانوں نے اپنے لیے "نواب" کا لفظ چھوڑ کے "بادشاہ" کا لفظ اختیار کیا۔ نیشاپوری اور سالار جنگی خاندانوں کے لوگ جو معتدبہ وشیتے اور پنشنیں پاتے تھے، بالکل خانہ نشیں کر دیے گئے تو اُن کو سوا عورتوں کے کسی کی صحبت ہی نہ نصیب ہوتی تھی۔ اِس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اُن کی وضع و لباس ہی میں زنانہ پن نہیں پیدا ہوا، بلکہ اُن کی زبان بھی عورتوں کی سی ہو گئی اور چوں کہ وہی شہر کے رئیس اور وضع دار تصوّر کیے جاتے، لہٰذا اکثر عوام نے بھی اُنھیں کی پیروی شروع کر دی اور بہ خلاف دیگر مقامات کے رئیسوں کے، یہاں لکھنؤ میں یہ عام وضع ہو گئی کہ سر پر مانگ، اُس پر مسالے کی کام دار ٹوپی، کانوں تک بال، جن کی کنگھی کرنے میں ماتھے پر دونوں طرف پٹیاں جمائی جاتیں۔ مُنہ میں پان، ہونٹھوں پر لاکھا، پنڈے میں تین تین کمر توئیوں کا چُست انگرکھا، اُس کے نیچے گُل بدن کا ریشمی کھنچا ہوا گھٹنا۔ ہاتھوں میں منہدی، پاؤں میں ٹاٹ بافی یعنی کام دار بوٹ۔ جاڑوں میں انگرکھے کی جگہ نیلی، زرد، یا سبز و سُرخ اطلس یا گرنٹ کا روئی دار دگلا۔"

"مردوں پر عورتوں کی وضع کے غالب آنے کا اثر اگر کپڑوں کی نزاکت اور تیز بھڑکیلے رنگوں تک محدود رہتا تو بہت غنیمت ہوتا۔ یہاں تو بہت سے لوگوں کی یہ حالت ہو گئی کہ میاں بیوی کے دگلوں، دوپٹوں، دُلائیوں، رضائیوں اور پائجاموں میں کسی قسم کا فرق ہی نہیں رہا بجز اِس کے کہ گوٹا پٹّا اور زیور عورتوں کے ساتھ مخصوص رہا۔"

نصیر الدین حیدر شاہِ اودھ کے متعلق شرر نے لکھا ہے:

"نصیر الدین حیدر میں عورتوں میں رہتے رہتے اِس درجہ زنانہ مزاجی پیدا ہو گئی تھی کہ عورتوں کی سی باتیں کرتے اور عورتوں ہی کا سا لباس پہنتے۔ زنانہ مزاجی کے ساتھ مذہبی عقیدت نے یہ شان پیدا کر دی کہ ائمہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:02
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اثنا عشر کی فرضی بیبیاں [اچھوتیاں] اور اُن کی ولادت کی تقریبیں، جو اُن کی ماں نے قائم کی تھیں، اُن کو اور زیادہ ترقی دی۔ یہاں تک کہ ولادتِ ائمہ کی تقریبوں میں خود حاملہ عورت بن کے زچہ خانے میں بیٹھتے، چہرے اور حرکات سے وضعِ حمل کی تکلیف ظاہر کرتے اور پھر خود ایک فرضی بچہ جنتے، جس کے لیے ولادت، چھٹی اور نہان کے سامان بالکل اصل کی طرح کیے جاتے۔ یہ تقریبیں اِس قدر زیادہ تھیں کہ سال بھر بادشاہ کو اِنھیں سے فرصت نہ ملتی" [گذشتہ لکھنؤ، مکتبۂ جامعہ اڈیشن، ص ۹۰]۔

نجم الغنی خاں نے تاریخِ اودھ میں دھنیا مہری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"چار پانسو عورتیں پری پیکر خوب صورت ملازمِ سلطانی اِن مہریوں کی ہمراہی میں تھیں۔ ایک سے ایک حُسن و جمال میں غیرتِ آفتاب و ماہتاب تھی۔ سن و سال میں کوئی پری رخسار بیس پچیس برس سے زیادہ نہ تھی۔ یہ عورتیں پُر تکلف پوشاکوں اور زیور سے آراستہ رہتی تھیں۔ ہر وقت عطر سے معطّر ہوتی تھیں۔ اکثر امرائے تماش بیں اُن دل فریبوں سے شب کو پہلو گرم کرتے تھے اور لکھنؤ کے نوجوان طرح دار اُن پر مرتے تھے۔ شہر کی طرح دار رنڈیوں کا بازار ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ یہ سب عورتیں بادشاہ کی سواری کے ساتھ رہتی تھیں" [جلدِ چہارم، ص ۳۰۸]۔

یہ سارے کا دا ک انداز اُسی ایک بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ معاشرے میں نفاست اور صلابت کے عدمِ توازن نے یک رُخاپن پیدا کر دیا تھا۔ تہذیب محض لطافت و نفاست کا اور بے تہ، ظاہر فریب اور ظاہر آرا اجزا کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔ اگر اِس میں مجہول تعیش اور تماش بینی کو زیادہ فروغ ملا تو اِس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تو اُن حالات کا لازمی نتیجہ تھا۔

طوائف کو اِس معاشرے میں تہذیبی نمایندگی کا شرف مل گیا تھا۔ طوائف [پوری دُنیا کی طرح] سارے ہندستان میں تھی، دہلی میں بھی تھی؛ مگر وہاں اُس کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہو سکی جو اِس معاشرے میں حاصل تھی۔ دہلی تو پھر بھی دور تھی؛ وہ علاقے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:02
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

جو لکھنؤ سے ملے ہوئے تھے اور حکومتِ لکھنؤ کے ماتحت تھے، جیسے ملیح آباد اور کاکوری؛ وہاں بھی طوائف کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہو سکی۔ کہیں اور اُس کو یہ حیثیت حاصل ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ حالات ہی کہیں اور کارفرما نہیں تھے، جن سے لکھنؤ کی اُس خاص معاشرت کی صورت گری ہوئی تھی۔ اُس معاشرے میں طوائفوں کی اہمیت اور حیثیت کا اِس سے بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عزاداری جیسی مذہبی چیز بھی اُن کی دسترس سے باہر نہیں رہی تھی۔ خورشید الاسلام کے الفاظ میں: "عزاداری جو ایک مذہبی فریضہ تھا، اور جس میں حد درجہ سنجیدگی اور متانت واجب تھی، اُس میں طوائفوں نے سوزخوانی کے کمال سے فائدہ اُٹھاکر دخل حاصل کر لیا تھا اور اِس طرح دنیا ہی نہیں، آخرت بھی اُن کے ہاتھ میں چلی گئی تھی۔" [تنقیدیں، طبعِ دوم، ص ۱۳۴۔ بہ حوالۂ حیاتِ شوق، ص ۳۰۸]۔

سرور صاحب نے زہرِ عشق اور بہارِ عشق کی ہیروئنوں کے بارے میں ایک جگہ یہ نہایت عمدہ اور درست رائے ظاہر کی ہے کہ: "مہ جبیں میں کم اور مہ لقا میں زیادہ ہمیں طوائف کی جھلک نظر آتی ہے" [اس کا حوالہ آگے آرہا ہے]۔ اِس میں فریبِ عشق کی ہیروئن کو بھی شامل کر لینا چاہیے۔ زہرِ عشق کی ہیروئن کے مقابلے میں اُس میں طوائف پن کی نمود کچھ زیادہ ہے۔ یہ دراصل معاشرے کے اُنھی اجزا کا عکس ہے جن کا کچھ ذکر ابھی آیا ہے۔ اُس تہذیب میں طوائف کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی جارہی تھی۔ اُس کے اثرات کا بکھرے ہوئے عکسوں کی صورت میں زندگی اور اُس کے مظاہر میں نمایاں ہونا کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں۔

شرر نے گذشتہ لکھنؤ میں لکھا ہے:

"لکھنؤ میں شجاع الدولہ کے زمانے میں رنڈیوں سے تعلقات پیدا کرنے کی جو بنیاد پڑی تو روز بہ روز اُسے ترقی ہی ہوتی گئی۔ امیروں کی وضع میں داخل ہو گیا کہ اپنا شوق پورا کرنے یا اپنی شان دکھانے کے لیے کسی نہ کسی بازاری حُسن فروش سے ضرور تعلق رکھتے..... اِن بے اعتدالیوں کا ایک ادنا کرشمہ یہ تھا کہ لکھنؤ میں مشہور تھا کہ جب تک انسان کو رنڈیوں

18
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:02
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کی صحبت نہ نصیب ہو، آدمی نہیں بنتا۔ آخر لوگوں کی اخلاقی حالت بگڑ گئی۔

رہے عورتوں کے اخلاق و عادات، اِس بارے میں ہمارا عام دعوا ہے کہ جن لوگوں میں زنا کاری کا شوق ہو، اُن کی عورتیں پارسا نہیں ہوسکتیں۔"

شرر کا یہ قول کچھ ایسا غلط نہیں۔ نجم الغنی خاں نے تاریخِ اودھ میں نصیر الدین حیدر اور واجد علی شاہ کے محلات کے جو حالات لکھے ہیں، اُن کو پڑھ کر عبرت ہوتی ہے۔ جب شاہی محلات میں کم درجہ اور بازاری عورتوں کو بارِ عام مل سکتا تھا اور اُس صورت میں اُن عورتوں کے دوسروں سے ناجائز تعلقات ہو سکتے تھے تو اِس سے معاشرے کی عام حالت پر جو اثرات پڑ سکتے تھے، اُن کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حیدری بیگم نے واجد علی شاہ سے جب یہ کہا تھا:

کہا: حمل ثابت علی خاں کا ہے — خطا کی، خطا کام انساں کا ہے
نہیں میں فقط ایک تقصیر وار — کہ اِس دام میں اور بھی ہیں شکار

[تذکرۂ شوق، ص ۳۰۶]

تو ایک ایسی حقیقت کا اظہار کیا تھا جس سے بہت سے لوگ باخبر تھے۔ اِسی طرح جب نواب مرزا شوق، فریبِ عشق میں یہ کہتے ہیں:

رنڈیاں گو کہ ساری آفت ہیں — بیگمیں اور بھی قیامت ہیں
کھلتا ہر اک پر اِن کا حال نہیں — کون اِن میں ہے جو چھنال نہیں
ڈھونڈتی پھرتی خود حسین ہیں یہ — ہم سے دونی تماش بین ہیں یہ

تو معاشرے کی ایک ایسی تلخ حقیقت کو بیان کیا تھا جس سے لوگ بے خبر نہیں تھے، لیکن اُس کو بیان کرنے کی جرات باقی نہیں رہی تھی، یا یہ کہ وہ معاشرے کا ایسا حصہ بن چکی تھی کہ اجنبیت اور اعتراض کی گنجایشیں گویا ختم ہو چکی تھیں۔ [آج کے طالبِ علم کے لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ شوق کے پہلے شعر میں "رنڈیاں" عام خواتین کے معنی میں آیا ہے۔ اُس زمانے میں یہ لفظ اِس معنی میں بہ طورِ عموم مستعمل تھا]۔ فریبِ عشق میں شوق نے لکھا ہے:

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:03
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

(۲۱)

وضع کی گو تھی سب کو پابندی　　پر، نہ بچتی تھی کوئی نوچندی
دوست جتنے تھے، رہتے تھے ہمراہ　　کربلا میں کبھی، کبھی درگاہ
رہتا تھا تیرھویں کا جلسہ یاد　　شام سے جاتے تھے حسین آباد
دوپہر رات جب گزرتی تھی　　ڈولی پر ڈولی پھر اترتی تھی

زہرِ عشق میں بیرون کا "ملنے کا دستور" یہ بتایا گیا ہے :

پنجشنبے کو جاتی تھی درگاہ　　واں سے آتی تھی میرے گھر وہ ماہ

بہارِ عشق میں بیرون کہتی ہے :

ہم بھی درگاہ آج جائیں گے　　ہوگی فرصت، تو واں بھی آئیں گے

اِس طرح ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کربلا اور درگاہِ حضرت عباس، جو عقیدت کے آستانے تھے، تماش بینی کے مرکز بن گئے تھے۔ حسین آباد کے تالاب پر تیرھویں کو جو میلا لگتا تھا، وہ تفریح اور تماش بینی کا بڑا اجتماع بن کر رہ گیا تھا، جہاں شوق کے الفاظ میں:

رات ہنس بول کر گزارتے تھے　　صبح سب اپنے گھر سدھارتے تھے

تذکرۂ شوق میں منقول مصحفی کا یہ شعر اِسی صورتِ حال کی ترجمانی کرتا ہے :

نوچندی آئی دھوم سے، چل تو بھی مصحفی　　جاتی ہیں کربلا کو حسینوں کی ڈولیاں

لذت اندوزی اور عیش کوشی معاشرے کے نمایندہ طبقے پر چھائی ہوئی تھی؛ مگر یہ کوئی حادثہ نہیں تھا، ایسی بات نہیں تھی جو اچانک واقع ہوئی ہو؛ یہ تو اُس تہذیبی زندگی کا ایک حصّہ تھا جس نے خاص حالات میں فروغ پایا تھا اور اُن حالات کا لازمی نتیجہ تھا جن کے تحت اِس معاشرے میں مذہبیت کی طاقتور روایت اور عیش پرستی کی سطحیت، دونوں ایک مرکز پر جمع ہو گئی تھیں۔ اِس میں کسی طرح کا تضاد محسوس نہیں ہوتا تھا۔

نواب مرزا شوق کی اِن مثنویوں میں شوخ نگاری پر ہمارے بعض بزرگوں نے اعتراض کیا تھا، خاص کر بہارِ عشق کے بیانِ وصل کے کچھ اشعار پر۔ اِس سلسلے میں اِس بات کو نظر انداز کر دیا گیا کہ فارسی اور اردو، دونوں زبانوں کی متعدد مثنویوں میں اِس انداز کی شوخ نگاری ملتی ہے، وہ مولانا جامی کی یوسف زلیخا ہو یا خواجہ میر اثر کی خواب و خیال.

20
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:03
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

یہ روایت بھی اردو کو فارسی سے ملی ہے۔ کم و بیش کے تناسب کے ساتھ یہ انداز ایسی بیش تر مثنویوں میں ملتا ہے، یعنی یہ داستانی اور عشقیہ مثنوی نگاری کی روایت کا ایک حصّہ رہا ہے، سراپا کے بیان کی شکل میں یا بیانِ وصل کی صورت میں۔ یہ اعتراف کیا جانا چاہیے کہ بہارِ عشق کے کچھ اشعار میں بیان کی لطافت برقرار نہیں رہ سکی ہے، اُن میں ابتذال ہے، کُھلا ہوا ابتذال ہے؛ لیکن ایسے اشعار کی تعداد بہت سے بہت ۲۴ یا ۲۵ ہوگی، اِس سے زیادہ نہیں۔ ایسی دوسری مثنویوں کے ایسے ہی اشعار کو اگر یک جا کر دیا جائے، مثلاً اُردو ہی میں میر اثر اور مومن کی مثنویوں کے ایسے اشعار کو؛ تو پھر شوق کا نام اِس سلسلے میں سرِ فہرست نہیں لکھا جا سکے گا، کئی سطریں نیچے لکھا جائے گا۔ جس طرح ہم ایسے اشعار کی بنا پر یوسف زلیخا کو یا میر اثر کی خواب و خیال کو اور مومن کی مثنویوں کو نظر انداز نہیں کرتے، اُنھیں ادب کا قابلِ ذکر حصّہ مانتے ہیں، اور اُن شاعروں کو فحاشی کا مبلّغ اور بد اخلاقی پھیلانے کا مجرم قرار نہیں دیتے؛ اُسی طرح شوق کی مثنویوں کو بھی ادب کا حصّہ اور شوق کو اپنے معاشرے کا ترجمان مانتے ہیں۔ معاشرہ جیسا ہوگا، ترجمانی بھی ویسی ہی ہوگی اور تصویر بھی ویسی ہی بنے گی۔ کیا آج بڑے سے بڑا مبلّغِ اخلاق اِس کے لیے تیار ہو سکے گا کہ گلستاں کے باب پنجم کی بنا پر، پوری کتاب کو ناقابلِ التفات قرار دے یا اُسے بد اخلاقی کا مجموعہ کہنے کی جرات کر سکے۔ جس زمانے میں گلستاں لکھی گئی تھی، یا مثنوی یوسف زلیخا لکھی گئی تھی، اُس زمانے میں آج سے زیادہ اور بڑے پایے کے مبلّغِ اخلاق موجود تھے اور کسی نے سعدی یا جامی کو فحش نگار نہیں قرار دیا تھا۔

ادبی و شعری روایت کو اور سماجی حقائق کو نظر انداز کر کے ہمیں فیصلے نہیں کرنا چاہیے۔ آج ہم میں سے کون اِس کے لیے آمادہ ہو سکے گا کہ عالمی ادب کے ایسے شاہ کاروں کو دریا بُرد کر دے جن کو مذہب اور اخلاقیات کی بارگاہ سے منظوری کا پروانہ نہیں مل سکا ہے اور نہیں مل سکے گا۔ جو لوگ اِس سلسلے میں کچھ زیادہ رقیق القلب ہوں، اُنھیں چاہیے کہ منٹو اور عصمت پر فحاشی کے تحت جو مقدمے چلائے گئے تھے، اُن کی روداد کو ایک بار پڑھ لیں اور اِس سلسلے میں اُس زمانے کے اساطینِ ادب نے جو بیانات دیے تھے، اُن کا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:03
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

مطالعہ کرلیں۔

شوقؔ نے یہ مثنویاں کسی بھی مقصد کے تحت لکھی ہوں، اِن میں سنجیدہ نگاری اور شوخ بیانی کا جو بھی انداز ہو؛ یہ واقعہ ہے کہ یہ ایسے آئینے بن گئے ہیں جن میں اُس معاشرے کے بہت سے عکس محفوظ ہو گئے ہیں۔ یہ عکس بہت شوخ رنگ سہی، لیکن حقیقت کے ترجمان ہیں۔ آپ انھیں اُس عہد کی تہذیبی زندگی کے بعض مظاہر کے آنکھوں دیکھے بیانات بھی کہہ سکتے ہیں۔ اِن مثنویوں کی یہ اہمیت آج بھی ہے اور کل بھی رہے گی اور اِس اعتبار سے اُس عہد کی تہذیبی تاریخ کے اچھے طالبِ علم کے لیے اِن کا مطالعہ ناگزیر قرار پائے گا۔

دبستانِ لکھنؤ کی ادبی اور لسانی جہات کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے بھی اِن مثنویوں کی اہمیت ہمیشہ برقرار رہے گی۔ عہدِ ناسخ کی شعری روایت اور تلامذۂ ناسخ کے قواعدِ شعری سے متعلق بیانات کا جو لوگ جائزہ لینا چاہیں گے، شوقؔ کی یہ مثنویاں اُن کے مطالعے کا لازمی جُز قرار پائیں گی۔ یہ ایک طرف تو لسانی سطح پر عہدِ ناسخ میں دہلوی اثرات کی نشان دہی کرتی ہیں اور دوسری طرف ناسخ اور تلامذۂ آتش و ناسخ کے شعری اسالیب کے مقابلے میں ایک متوازی شعری اسلوب کی آئینہ دار ہیں۔ یہی نہیں "زبانِ محلات" کی ایسی اور اتنی روشن اور دل کش مثالیں اِن مثنویوں میں یک جا ہو گئی ہیں کہ زبانِ لکھنؤ کی لطافت اور نفاست کی پوری روایت نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے:

اِن مثنویوں کو الگ رکھ دیجیے تو پھر اُس نفیس زبان اور اُن لطیف بیانات کا ذخیرہ کچھ کم معلوم ہو گا، ناتمام اور کم رنگ نظر آئے گا۔ بہ قولِ مولانا عبدالماجد دریابادی: "محاورات پر یہ عبور، بیگمات کے روزمرہ پر یہ قدرت، زبان کی یہ صحت، بیان کی یہ سلاست، جذبات نگاری کی یہ قوت کیا ہر شاعر کے نصیب میں آتی ہے؟" اِنھی اعتبارات کی بنا پر اِن مثنویوں کو کلاسکی متنوں کی تدوینِ جدید کے سلسلے میں شامل کیا گیا ہے۔

حالاتِ زندگی

شوقؔ کے سوانحِ زندگی کی اکثر تفصیلات سے آج بھی ہم اچھی طرح واقف نہیں۔ اچھی طرح واقفیت سے میری مراد یہ ہے کہ اُس معلومات کی بنیاد پر قابلِ اعتماد نتیجے نکالے جاسکیں۔ اُن کے پہلے سوانح نگار عطاء اللہ پالوی نے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:03
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اپنی کتاب تذکرۂ شوق میں "ذاتی حالات" کے تحت لکھا تھا:

"ہمارے حالات کی حقیقت کسی پہ بھی منکشف نہ ہوگی
جو کوئی سمجھے گا، وہم ہوگا؛ جو کوئی دیکھے گا، خواب ہوگا

یہ شعر شوق لکھنوی کا نہیں، مگر سو فی صدی شوق پر صادق آتا ہے؛ اِس لیے کہ مندرجۂ ذیل حالات، جو صبر آزما مشکلات کے بعد حاصل ہوئے ہیں، وہم و خواب ہی کی حد تک محدود و نامکمل ہیں" (ص ۳۹)۔

پالوی صاحب کی کتاب ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی تھی؛ اب کہ عیسوی سال ۱۹۹۶ء ہے، مجموعی طور پر صورتِ حال میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہو پائی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں ڈاکٹر سید محمد حیدر کا تحقیقی مقالہ حیاتِ شوق کے نام سے شائع ہوا۔ مقالے کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مقالہ نگار نے ضروری تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ کچھ باتیں معلوم بھی ہوئیں؛ مگر اُن کی حاصل کردہ معلومات میں بیش تر باتیں محض زبانی روایتوں پر مبنی ہیں، جن کو حتمی طور پر تسلیم کر لینا بہتوں کے لیے آسان نہیں ہوگا؛ میرے لیے بھی آسان نہیں۔ بہ ہر طور، اب تک اِتنی باتیں ضرور معلوم ہو چکی ہیں کہ خاکہ بن سکتا ہے، خواہ اُس میں رنگ آمیزی "محدود اور نامکمل" رہے۔ [پالوی صاحب کی کتاب تذکرۂ شوق میں "ذاتی حالات" ص ۳۹ سے ص ۵۹ تک، اور حیدر صاحب کی کتاب حیاتِ شوق میں ص ۲۹ سے ص ۸۱ تک ہیں]۔

پالوی صاحب نے لکھا ہے: تصدق حسین خاں نام تھا، نسباً پٹھان تھے۔ حیدر صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ نام تصدق حسین تھا اور نسباً مغل تھے۔ اُنھوں نے ایک عدالتی کاغذ کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں شوق کے نام کے ساتھ "قوم مغل" لکھا ہوا ہے۔ شوق کے والد کا نام "آغا علی خاں" اور چچا کا نام "مرزا علی خاں" تھا۔ یہی حیدر صاحب نے بھی لکھا ہے۔ اِس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ خاندانی ناموں میں "خاں" شامل تھا[1]۔ "خاں" کا تعلق سلسلۂ نسب سے

[1] یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ شوق کے والد اور چچا کے نام بالترتیب آغا علی خاں اور مرزا علی خاں تھے۔ اگر اِن ناموں میں کوئی لفظ کم نہیں اور یہی مکمل نام ہیں، تو اِس صورت

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

تھا یا عطائے خطاب سے، مجھے اِس کا احوال تو معلوم نہیں ! لیکن یہ معلوم ہے کہ بہت سے ناموں میں "مرزا" اور "خاں" دونوں لفظ ملتے ہیں۔

مغل اور پٹھان کی اِس بحث سے یہاں قطعِ نظر کرتا ہوں، یوں کہ اصلاً یہ میرے دائرۂ کار میں شامل نہیں اور یوں بھی کہ فی الوقت میں شجرۂ نسب سے متعلق درج کردہ زبانی روایتوں کی نہ تصدیق کرسکتا ہوں نہ تکذیب ؛ البتہ یہ ضرور ہے کہ میں "تصدق حسین خاں" کو ترجیح دوں گا اور اِس کی اصل وجہ یہی ہے کہ اُن کے والد اور چچا کے ناموں میں "خاں" شامل ہے۔ اِس کے لیے میرے سامنے ایک قرینہ بھی ہے۔ بہارِ عشق طبعِ اوّل [سلطان المطابع ۱۲۶۶ھ] کی نثرِ خاتمہ میں "نامِ نامی اسمِ گرامی تصدق حسین خاں" لکھا ہوا ہے۔ طبعِ دوم [مطبعِ محمدی ۱۲۶۸ھ] میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ [لیکن اِس سے اُن کے مرزا ہونے کی نفی مقصود نہیں۔ جیساکہ لکھا جا چکا ہے، بہت سے ناموں میں مرزا اور خاں کے الفاظ ایک ساتھ ملتے ہیں]۔

عرفیت "نواب مرزا" تھی۔ اِسی نسبت سے عام طور پر "نواب مرزا شوق لکھنوی" لکھا جاتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ عرفیت نے نام سے زیادہ شہرت پائی تھی۔ بہارِ عشق کے نسخۂ مطبعِ علوی [۱۲۷۷ھ] اور نول کشوری مجموعۂ مثنویات [۱۸۷۱ء] میں نام کے بجائے "حکیم نواب مرزا صاحب" ملتا ہے۔ فریبِ عشق میں اُنھوں نے خود بھی اِس کا حوالہ دیا ہے :

یہ تو کہیے کہ خوش بیاں ہیں آپ — رکھتے کیا نام، کیا نشاں ہیں آپ
نام جس وقت میں نے بتلایا — قہقہہ مار کر یہ فرمایا
اے تو میں بھی کہوں سبب کیا ہے — ارے تو ہی نواب مرزا ہے!
ایکی مرشد ہو تم، قصور معاف — سُن چکی ہوں میں آپ کے اوصاف

میں یہ واضح ہے کہ "مرزا علی خاں" کے نام میں لفظِ "مرزا" نام کا جز ہے، نسب کا اشارہ نما نہیں۔ دونوں ناموں میں "علی" مشترک ہے، مگر یہاں مطلق یہ لفظ نام نہیں ہوسکتا، ورنہ یہ ماننا ہوگا کہ دونوں بھائیوں کا نام "علی" تھا۔ لامحالہ یہ ماننا ہوگا کہ مرزا علی خاں میں لفظِ "مرزا" اُسی طرح نام کا جز ہے جس طرح آغا علی خاں میں لفظِ "آغا" نام کا جز ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:03
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

"شوق کی تاریخِ پیدایش معلوم نہیں؛ مگر اودھ اخبار میں، جو نول کشور پریس سے ۱۸۵۹ء میں جاری ہوا تھا، تاریخِ ولادت اور عُمر بہ وقتِ وفات[1] درج ہے؛ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ شوق ۱۱۹۷ھ میں پیدا ہوئے تھے..... ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۸۸ھ، مطابق ۳۰ جون ۱۸۷۱ء بہ روزِ جمعہ، لکھنؤ میں بہ عمرِ ۹۱ سال انتقال کیا" [تذکرۂ شوق]۔ اِس اطلاع پر اب تک کچھ اضافہ نہیں ہو سکا ہے۔ اُن کی قبر کہاں ہے، اِس سلسلے میں کئی روایتیں ہیں جو حیاتِ شوق اور تذکرۂ شوق

---

[1] پالوی صاحب نے اُس خاص شمارے کا حوالہ نہیں دیا، اصل عبارت بھی نقل نہیں کی؛ یہ بڑی کمی ہے۔ میرے لیے فی الوقت یہ ممکن نہیں کہ میں اُس شمارے کو تلاش کر کے، حوالے کی تصدیق کر سکوں۔ اودھ اخبار کے شمارے میری دسترس سے باہر ہیں۔ میں نے یہ مان لیا ہے کہ پالوی صاحب نے حوالہ صحیح طور پر دیا ہوگا۔ حیدر صاحب نے بھی اِس سلسلے میں کچھ نہیں لکھا۔

ایک بات اور: انجمن ترقیِ اردو [کراچی] کی شائع کردہ تقویم کے مطابق ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۸۸ھ مطابق ہے یکم جولائی ۱۸۷۱ء کے۔ تقویم کے حساب میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک دن کا فرق کبھی کبھی پڑ جاتا ہے، اِس لیے اِس عدمِ مطابقت پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ سالِ ولادت تو معلوم ہے، مگر تاریخ اور مہینا معلوم نہیں۔ جب تک یہ دونوں نہ معلوم ہوں، اُس وقت تک قطعیت کے ساتھ "۹۱ سال" کا تعین کرنا احتیاط کے خلاف ہوگا۔ تاریخ اور مہینا اگر معلوم ہو جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ اِس تعین میں چند دنوں کا یا چند ماہ کا فرق واقع ہو جائے۔

پالوی صاحب کی منقولۂ بالا عبارت میں سالِ ولادت ۱۱۹۷ھ ہے۔ یہ ہجری سنہ مشتمل ہے ۸۳-۱۸۸۲ء پر۔ محولۂ بالا تقویم کے مطابق یکم صفر ۱۱۹۷ھ مطابق ہے ۲ جنوری ۱۸۸۳ء کے۔ اگر عیسوی سنہ کے حساب سے ۱۸۸۳ء کو سالِ ولادت فرض کر لیا جائے، اُس صورت میں ۱۸۷۱ء میں وفات کے وقت اُن کی عمر تقریباً ۸۸ برس کی ہوگی۔ چوں کہ تاریخ اور مہینا معلوم نہیں، اِس لیے کم و بیش کی وہ نسبت یہاں بھی شامل رہے گی جس کا ابھی ذکر آیا ہے۔ اودھ اخبار میں بہ قولِ پالوی صاحب ۹۱ سال کی عمر کا تعین بھی کیا گیا ہے۔ اِس سے یہ نتیجہ نکالنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ اخبار کے نامہ نگار نے ولادت کے ہجری سنہ سے عمر کا حساب لگایا ہے اور یوں اُن کی عمر ۸۸ سال کے بجائے ۹۱ سال ماننا مرجح ٹھہرے گا۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:03
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

میں مندرج ہیں۔ اِن روایتوں کی بابت اعتماد کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یقین کے ساتھ صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ مدفن لکھنؤ میں ہے۔ پالوی صاحب نے "حلیہ اور شمائل" اور "لباس" کے تحت شوق کی پوری تصویر کھینچ دی ہے، مرقع تیار کر دیا ہے صاحبِ حیاتِ شوق نے اِس کے متعلق لکھا ہے: "شوق کے انتقال کو سو برس سے اوپر گزر چکے ہیں، لہٰذا کسی ایسے شخص کے زندہ رہنے کا سوال ہی نہیں جس نے شوق کو دیکھا ہو۔" یہ بالکل درست ہے۔ پالوی صاحب نے اپنے ماخذ کا حوالہ دیا نہیں، جس سے معلوم ہوتا کہ تصویر کشی کا یہ مسالا اُنھیں کہاں سے ملا۔ موجودہ صورت میں اِسے خیالی تصویر سازی کہا جائے گا۔ اب رہا اُس زمانے کا عام لباس، سُو وہ تو طبقۂ عمائدین و شرفا کا عام لباس ہوگا، اُس میں کسی طرح کی تخصیص کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

رہیں زبانی روایتیں، تو جیسا کہ میں اِس سے پہلے لکھ چکا ہوں، تصدیق کے بغیر میرے لیے اُنھیں قبول کرنا بہت مشکل ہے۔ حُسنِ اتفاق سے اِسی عنوان یعنی شکل و شمائل کے تحت حیدر صاحب نے دو روایتیں درجِ کتاب کی ہیں، اُنھی سے اِس کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پہلی روایت: "راقم کی ملاقات جناب باقر حسین صاحب رنگین سے ہوئی، درگاہ حضرت عباس کے نزدیک رہتے ہیں۔ عمر سو برس کے قریب ہوگی، لیکن یادداشت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ اُنھوں نے بتایا کہ زمانۂ قدیم میں دو ایسے شاعر تھے جن کی خوب صورتی کا عام طور پر چرچا ہوتا تھا۔ ایک تھے جانؔ صاحب، اور دوسرے مرزا شوقؔ۔"

دوسری روایت: "صاحبِ مہذّبُ اللغات جناب مہذّب لکھنوی کا بیان اِس سے بہ ظاہر متضاد ہے۔ موصوف نے راقم کو بتایا کہ اُنھوں نے اپنے والد مؤدّب لکھنوی اور خسر حکیم مظفر حسین صاحب طبیب سے یہ سنا ہے کہ مرزا شوقؔ شکل کے اعتبار سے بھونڈے تھے۔" ایسی زبانی روایتیں خواہ اربابِ دہلی کی ہوں یا بزرگانِ لکھنؤ کی، تصدیق کے بغیر قابلِ اعتماد نہیں ہوتیں۔ اِس تماشے کی پُرانی لکھنوی روایتوں میں گپ کا عنصر کچھ زیادہ ہی ملتا ہے، یہ میرا تجربہ ہے۔

شوق بہ لحاظ مسلک شیعہ تھے اور اس میں کچھ اختلاف نہیں۔ یہ بات اُن کے کلام

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:04
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

سے پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے۔

خاندانی روایت کے مطابق طبیب بھی تھے۔ کس پائے کے طبیب تھے، یہ معلوم نہیں؛ لیکن جو حالات ہمارے سامنے ہیں اور اُس عہد کے معروف اطبّا سے متعلق جو نوشتے موجود ہیں، اُن کے پیشِ نظر یہ ظاہر یہی خیال ہوتا ہے کہ اِس فن میں وہ اپنے والد، چچا اور چچازاد بھائی حکیم مسیح الدولہ جیسی ممتاز حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ حکیم مسیح الدولہ کی رسائی شاہی دربار میں تھی؛ اِس وقت تک جو معلومات ہمارے سامنے ہے، اُس کی بنا پر یہی خیال ہوتا ہے کہ وہ اِس شرف سے محروم رہے۔ کم از کم بہارِ عشق کی تصنیف کے وقت تک تو یہی صورتِ حال تھی اور یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے، اِس لیے کہ اُنھوں نے کنایتاً خود اِس کا اظہار کیا ہے۔ مدحِ واجد علی شاہ کے جو اشعار بہارِ عشق میں شامل ہیں، اُن میں آخری شعر یہ ہے:

دل تمنائے وصلِ او دارد چہ بلا مشکل آرزو دارد

تذکرۂ شوق اور حیاتِ شوق میں اِس پر مفصّل بحث کی گئی ہے اور یہی نتیجہ نکالا گیا ہے اور میں اُس سے پوری طرح متفق ہوں۔

تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا کے مولف ناصر نے شوق کے متعلق لکھا ہے:

"ارسطوزماں (کذا)، فلاطونِ دوراں تصدق حسین خاں عرف حکیم نواب مرزا، خلفِ حکیم آقا علی خاں برادرِ حکیم الملوک حکیم مرزا علی خاں مرحوم۔ گو فنِ شاعری میں بہرہ نہیں مگر پانچویں سواروں میں نام ملایا ہے۔ پیشِ طبیب منجّم و پیشِ منجّم طبیب کا آپ ہی میں مزہ پایا ہے۔ بے اُستاد، تلمذِ شعرا سے انکار ہے، خود استادیِ ملک الموت کا اقرار ہے، چنانچہ چند غزلیں اور چار مثنوی مسمّی زہرِ عشق و لذّتِ عشق و فریبِ عشق، بہارِ عشق، صاحبِ مسدّس و خمسہ، تخلّص ندارد، مقیمِ لکھنؤ، یہ چند اشعار اُن سے لکھے جاتے ہیں:"

اِس عبارت کے بعد ایک غزل کے تین شعر درج کیے ہیں اور پھر لکھا ہے،

"دیگر مثنویات کہ بزبانِ ریختہ جو کہی ہیں، یہ زبان محلات کی عورات کی

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:04
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

نہیں ہے ہاں اگر زبان حکیم زادیوں کی ہو تو عجب نہیں۔ یہ چند اشعار مثنوی زہرِ عشق کے تحریر ہوتے ہیں۔ شعرِ مثنوی:" [خوش معرکۂ زیبا، مرتبۂ مشفق خواجہ، جلد دوم، ص ۵۲۴]۔

ناصر کے قول کے مطابق شوق کو شاعری میں دخل تو ہے نہیں، مگر اپنا شمار شاعروں میں کرتے ہیں۔ طب میں بھی کچھ نہیں جانتے۔ بے استاد ہیں، کسی کے شاگرد نہیں۔ خمسہ اور مسدس لکھا ہے اور چار مثنویاں لکھی ہیں۔ مثنویوں کی زبان اعلا درجے کی خواتین کی زبان نہیں۔ ناصر کی عبارت پڑھنے کے بعد واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اُس نے شوق کا حال نہایت درجہ معاندانہ انداز سے لکھا ہے، مضحکہ اُڑایا ہے اور رعایتِ لفظی کے واسطے سے طنز کیا ہے [جو اُس کا خاص انداز ہے اور اِس تذکرے میں اِس کی مثالیں کم نہیں] اِس لیے ناصر کی عبارت سے کسی بات پر استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔ ناصر نے جو کچھ لکھا ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ شوق سے متعلق اُس کی معلومات ناقص تھیں۔ اُس نے لکھا ہے: "تخلص ندارد"، مگر دو غزلیں ایسی موجود ہیں جن میں تخلص آیا ہے۔ اِن دونوں غزلوں کے مقطع یہ ہیں:

نظارہ کیا شوق نے اُس چشم کا جب سے ۔۔۔ نرگس پہ پڑی آنکھ نہ آہو پہ پڑی آنکھ

پھر شوق سے کیا اُس بتِ عیار سے گزری ۔۔۔ ہوتے نہیں باہم جو اشارے کئی دن سے

یہ دونوں غزلیں کلیاتِ شوق مرتبۂ شاہ عبدالسلام میں موجود ہیں۔ پہلی غزل تذکرۂ سراپا سخن سے منقول ہے اور دوسری غزل دیوانِ رند سے۔ اِن مقطعوں سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ شوق تخلص تھا۔

جہاں تک شاگردی کا سوال ہے تو موخر لکھنے والوں نے تو بالتکرار اُن کو آتش کا شاگرد لکھا ہے۔ تذکرۂ سخنِ شعرا میں نساخ نے بھی اُن کو آتش کا شاگرد لکھا ہے اور یہ تذکرہ شوق کی زندگی میں لکھا گیا تھا۔ اِس سلسلے میں تعجب کی بات یہ ہے کہ شوق کی مثنویوں کے جو قدیم اڈیشن ہیں بہ شمولِ نسخۂ نول کشور، اُن میں سے کسی میں تلمذ کا حوالہ نہیں ملتا۔ یعنی کسی ایک

28
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:04
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کلمات لکھے گئے ہیں اور شاعری کی بھی تعریف کی گئی ہے۔ اس سلسلے کی تفصیلات تو ملتی نہیں، اس لیے کچھ کہنا مشکل ہے؛ مگر اس کا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ آتش سے تلمذ ہوگا بھی تو اُس کی حیثیت بھی کچھ خاص نہیں ہوگی اور مدت بھی کچھ ایسی طویل نہیں رہی ہوگی۔ شوق اُس انداز کے شاعر تو تھے نہیں جیسے اُس زمانے میں عام طور پر ہوا کرتے تھے، جیسے آتش و ناسخ کے دوسرے متعارف تلامذہ تھے کہ شاعری ہمہ وقتی مشغلہ ہو۔ گویا شوقیہ شاعر تھے کہ مثنویاں لکھیں، مگر غزلیں دو چار ہی کہیں۔ جب غزل گوئی کا احوال یہ ہو کہ کبھی کبھار کی بات ہو، تو اُستاد سے اصلاح اگر لیتے بھی ہوں گے تو بس یوں ہی سی، کبھی کبھار۔ شاید اِسی لیے بہ حیثیتِ تلمیذِ آتش شہرت نہیں ملی، بہ حیثیتِ نواب مرزا شوق شہرت پائی۔

تلمذ کے متعلق یہ جو کچھ لکھا گیا، یہ مان کر لکھا گیا ہے کہ وہ آتش کے شاگرد تھے۔ ناصر نے یہ جو لکھا ہے کہ جو زبان مثنویوں میں لکھی ہے، وہ محلات کی عورات کی زبان نہیں، شاید حکیم زادیوں کی زبان ہو؛ تو صاف طور پر یہ استہزائیہ انداز ہے، محض مضحکہ اُڑانے کے لیے ایک رُخ پیدا کیا گیا ہے، اِس لیے ناصر کا یہ قول قابلِ اعتنا نہیں۔

اُس کی معلومات کا حال یہ ہے کہ اُس نے لذتِ عشق کو بھی شوق کی مثنوی بتایا ہے، جب کہ وہ آغا حسن نظم کی تصنیف ہے۔ ایسا شخص جو چاہے لکھ سکتا ہے، مگر اُس کی ہر بات کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ قابلِ تسلیم بھی ہو۔ غرض کہ شاعری، تلمذ، تخلص اور مثنویوں کی زبان کے متعلق ناصر نے جو کچھ لکھا ہے، اُن میں سے کوئی ایک بات بھی درست نہیں۔

شوق کے اسلاف اور اخلاف کے متعلق حیاتِ شوق میں بہت سی تفصیلات ہیں، اُن کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں پھر یہ عرض کر دوں کہ زبانی روایتوں اور سُنی سُنائی کی بنا پر جو باتیں لکھی گئی ہیں، وہ لازماً قابلِ قبول نہیں، اُن کی تصدیق ضروری ہے۔ جب تک ایسی روایتوں کی تصدیق کی کوئی صورت پیدا نہ ہو، اُس وقت تک اُن کی بنیاد پر نتائج نہیں نکالے جا سکتے، ہاں درجِ کتاب کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔

یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ شوق ایک معزز اور معروف گھرانے کے فرد تھے۔ طبابت میں خواہ اُنھوں نے نشانِ امتیاز حاصل نہ کیا ہو، لیکن اُس کی تلافی شاعری

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

کے ذریعے سے ہوگئی کہ اِس فنِ شریف نے اُن کے نام کو زندۂ جاوید بنادیا۔ دوسرے لفظوں میں اِس بات کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شوقؔ اُس عہد کے طبقۂ اشرافیہ کے فرد تھے اور اُس طبقے کے آداب و اطوار سے اُن کو قریب کی نسبت حاصل تھی۔ اُن کی نشوونما اُنھی ادب آداب کے تحت ہوئی تھی، اِس لیے زندگی میں خوش باشی اور لذّت کوشی کی اگر اُن کے یہاں اہم ترین حیثیت تھی، اور ذرائعِ حصولِ مسرّت کو برتنے کی سہولت اور آزادی بھی تھی، تو اِس پر ذرا بھی تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں اگر اِس کے برخلاف ہوتا، تب ضرور تعجب ہوتا۔

مثنویاتِ شوقؔ کی تعداد

اب عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ شوقؔ نے تین[۲] مثنویاں لکھی تھیں: فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق۔ "اب" کی قید یوں لگائی گئی کہ پہلے ہمارے بعض معتبر اہلِ قلم کا خیال یہ تھا کہ شوقؔ کی چار مثنویاں ہیں۔ تین تو یہی مندرجۂ بالا مثنویاں اور ایک مثنوی لذّتِ عشق۔ علاوہ براِیں، بعض مطبع والوں نے اِس فہرست میں خنجرِ عشق، سوزِ عشق اور قہرِ عشق کا اضافہ کردیا، مگر قابلِ ذکر لکھنے والوں میں سے کسی نے اِن ناموں کو قابلِ توجہ نہیں سمجھا؛ البتہ لذّتِ عشق کا معاملہ مختلف ہے۔ کئی ذمّے دار حضرات نے اِس کا شمار مثنویاتِ شوقؔ میں کیا ہے۔ اِس سلسلے میں مولانا حالؔی کا نام خاص طور پر لیا جاسکتا ہے۔ مقدمۂ شعروشاعری کے آخر میں، جہاں صنفِ مثنوی پر اظہارِ خیال کیا ہے، لکھا ہے:

> "میر حسنؔ کے بعد نواب مرزا شوقؔ لکھنوی کی مثنویاں سب سے زیادہ لحاظ کے قابل ہیں..... اِن میں سے تین مثنویوں [یعنی بہارِ عشق، زہرِ عشق اور فریبِ عشق] میں اُس نے اپنی بوالہوسی اور کام جوئی کی سرگذشت بیان کی ہے..... اور ایک مثنوی یعنی لذّتِ عشق میں ایک قصّہ بالکل بدرِ منیر کے قصّے سے ملتا جلتا اور اُسی کی بحر میں لکھا ہے۔"
>
> [مقدمۂ شعروشاعری، مکتبۂ جامعہ اڈیشن، ص ۲۲۰]

اِس سے پہلے وہ لکھ چکے تھے: "نواب مرزا شوقؔ نے جو چار مثنویاں، یعنی بہارِ عشق، زہرِ عشق، لذّتِ عشق، فریبِ عشق لکھی ہیں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

5:04
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کے بہت سے اشعار نقل کر کے، اُن پر اعتراضات کیے ہیں [ایضاً، ص ۲۱۴ سے ص ۲۱۸ تک] اور اِس طرح لذتِ عشق کے اصل مصنف نظم لکھنوی کی خامیاں شوق کے حساب میں درج ہوگئیں۔

میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا، مگر خیال میرا یہ ہے کہ یہ غلط فہمی نول کشور پریس کے چھپے ہوئے مجموعۂ مثنویات سے شروع ہوتی ہے۔ مطبعِ نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۷۹ء میں مثنویاتِ شوق کا مجموعہ پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اِس مجموعے میں چار مثنویاں شامل ہیں: بہارِ عشق، زہرِ عشق، لذتِ عشق، فریبِ عشق [اِسی ترتیب کے ساتھ]۔ اِس مجموعے کے آخر میں جو نثرِ خاتمہ ہے، اُس میں اِن چاروں مثنویوں کو واضح الفاظ میں شوق کی تصنیف بتایا گیا ہے:

"بہارِ عشق، لذتِ عشق، فریبِ عشق، زہرِ عشق کا مطالعہ کیجیے۔ اِس رباعی کے پردے میں نیرنگِ جمالِ حقیقی کا مشاہدہ کیجیے۔ واقع میں یہ محبت کا مجموعہ ہے، حسن و عشق کا خاتمہ ہے۔ حکیم نواب مرزا صاحب لکھنوی شوق تخلص نے تصنیف کیا ہے۔"

یہ خیال رہے کہ یہ مجموعہ شوق کی زندگی میں چھپا تھا۔ شوق کی تاریخِ وفات "۱۳ ربیع الثانی ۱۲۸۸ھ، مطابق ۳۰ جون ۱۸۷۱ء" ہے [تذکرۂ شوق، ص ۵۵]۔ دوسری بار یہ مجموعہ وہیں سے "ماہِ اپریل ۱۸۷۱ء، مطابق صفر ۱۲۸۸ھ دوبارہ چھپا ہے"۔ شوق اُس وقت بھی زندہ تھے۔ غالباً غلط فہمی کا آغاز یہیں سے ہوا۔ نول کشوری مطبوعات سے اہلِ علم بہ طورِ عموم استفادہ کیا کرتے تھے، غالباً اِسی مجموعے کی بنیاد پر مولانا حالی نے لذتِ عشق کو بھی بلا تکلف شوق کی مثنوی سمجھ لیا۔

لذتِ عشق، شوق کی تصنیف نہیں، اُن کے بھانجے آغا حسن نظم کی ہے۔ مثنوی کے آخر میں اُن کا تخلص موجود ہے:

کرے نظم اب یہ کہاں تک بیاں ∴ ہے کوتاہ عمر اور بڑی داستاں

یہ مثنوی نظم ہی کے نام سے مطبعِ فیضی سے چھپ چکی ہے۔ کب چھپی، اِس کا مجھے علم نہیں۔ یعنی یہ نہیں معلوم کہ مطبعِ فیضی کا نسخہ نول کشوری نسخے سے پہلے کا ہے یا بعد کا۔ شاہ عبدالسلام نے اپنے مرتبہ کلیاتِ شوق میں اور ڈاکٹر حیدر نے اپنے تحقیقی مقالے حیاتِ شوق میں اِس اشاعت کے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:04
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

سرورق کا عکس چھاپ دیا ہے۔ سرورق پر یہ عبارت موجود ہے :

"تصنیف شاعر تیز زباں طوطی ہندوستاں آغا حسن متخلص بہ لظم ہشیر زادۂ
حکیم تصدق حسین خاں صاحب دام اقبالہٗ"

اِس کے سالِ اشاعت کی صراحت محوّلۂ بالا دونوں کتابوں میں نہیں ملتی، شاید مطبعِ فیضی والے نسخے میں اِس کی صراحت نہیں ہوگی۔ شوق کے لیے "دام اقبالہٗ" کے الفاظ لکھے گئے ہیں، اِن سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت وہ زندہ تھے۔ اِس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ جون ۱۸۷۱ء سے پہلے کی اشاعت ہوگی۔ مطبعِ فیضی والا نسخہ تو میں نے نہیں دیکھا، البتہ نول کشوری نسخہ [مشمولہ مجموعۂ مثنویاتِ شوق] میرے سامنے ہے۔ اِس مثنوی میں واجد علی شاہ کی مدح شامل ہے؛ اِس کی بنیاد پر بہ آسانی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ مثنوی واجد علی شاہ کے عہدِ حکومت میں تصنیف ہوئی ہے۔ اِس طرح شوق کی مثنوی بہارِ عشق اور نظم کی یہ مثنوی لگ بھگ ایک ہی زمانے کی تصنیفات ہیں۔

چکبست نے بھی لذتِ عشق کو شوق کی تصنیف بتایا ہے۔ اُنھوں نے گلزارِ نسیم والی بحث سے متعلق ایک جوابی مضمون میں لکھا ہے : "نواب مرزا شوق مرحوم اپنی مثنوی موسوم بہ لذتِ عشق میں کہتے ہیں:" اِس کے بعد اِس مثنوی کے دو شعر بہ طورِ مثال لکھے ہیں۔ میں نے چکبست کے اِس قول کے متعلق یہ وضاحت کی ہے :

"اِس غلط انتساب پر چکبست کو موردِ الزام نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ وجہ اِس کی یہ ہے کہ ۱۸۶۹ء میں، یعنی شوق کی زندگی ہی میں، چار مثنویوں کا ایک مجموعہ نول کشور پریس سے شائع ہوا تھا، اُس میں لذتِ عشق بھی شامل ہے؛ اِس بنا پر بہت سے لوگ یہ سمجھتے رہے کہ لذتِ عشق، شوق ہی کی مثنوی ہے۔"

[گلزارِ نسیم، مرتبۂ راقم الحروف، ص ۴۱۲]

یہی بات مولانا حالی کے لیے کہی جاسکتی ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:05
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

میں ناصر نے اُن کی چار مثنویاں لکھی ہیں: "چار مثنوی مسمّٰی زہرِ عشق و لذتِ عشق و فریبِ عشق بہارِ عشق" [خوش معرکۂ زیبا، مرتبۂ مشفق خواجہ، جلد دوم، ص ۵۲۴]۔ شوق کا ذکر اِس تذکرے کے مخطوطۂ خدا بخش لائبریری پٹنہ کے حاشیے پر ہے۔ بہ قولِ مرتبِ تذکرہ حاشیے کے اندراجات مصنفِ تذکرہ کے قلم سے ہیں۔ اِس حاشیے کے زمانۂ تحریر کا قطعیت کے ساتھ تعین نہیں کیا جا سکتا؛ مگر مرتبِ تذکرہ کے الفاظ میں: "یہ طے ہے کہ نسخۂ پٹنہ کا کوئی حاشیہ ۱۲۸۶ھ کے بعد کا نہیں ہو سکتا" [ایضاً، جلدِ اوّل، ص ۸۴]۔ نول کشوری مجموعۂ مثنویاتِ شوق پہلی بار اپریل ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا تھا۔ پہلے یہ واضح کر دوں کہ ۱۸۶۹ء کی مذکورہ نول کشوری اشاعت میرے سامنے نہیں۔ میرے پیشِ نظر اِس کی دوسری اشاعت ۱۸۷۱ء والی ہے۔ حُسنِ اتفاق سے ڈاکٹر حیدر نے اپنی کتاب حیاتِ شوق میں طبعِ اوّل کی عبارتِ خاتمہ کا عکس چھاپ دیا ہے، اِس طرح میں اُس سے گویا بہ راہِ راست استفادہ کر سکا۔ طبعِ اوّل کی عبارتِ خاتمہ میں لکھا ہوا ہے: "اپریل ۱۸۶۹ء میں اِس نے زینتِ طبع پائی ہے"۔ انجمن ترقیِ اُردو [کراچی] کی شائع کردہ تقویم کے مطابق ۱۳ اپریل ۱۸۶۹ء، یکم صفر ۱۲۸۶ھ کے برابر ہے۔ اِس صورت میں یہ کہنا میرے لیے بہت مشکل ہے کہ مصنفِ تذکرہ ناصر نے اِس نول کشوری نسخے کو دیکھا ہوگا یا نہیں دیکھا ہوگا۔ البتہ یہ بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ ۱۸۶۹ء میں اِس غلط انتساب کی [پہلی] روایت ملتی ہے۔ بعد کو متعدد موخر اہلِ قلم کی تحریروں میں اِس روایت نے جگہ پائی۔ ایسے موخر لوگوں میں نظامی بدایونی اور مولفِ خم خانۂ جاوید بہ طورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ نظامی نے زہرِ عشق کا جو اڈیشن شائع کیا تھا، اُس کے دیباچے میں لکھا تھا: "یہ مثنوی..... نواب مرزا شوق لکھنوی کی قدیم چار مثنویوں میں سے بہترین..... ہے"۔ پھر اِس پر یہ حاشیہ لکھا ہے: "اِس مثنوی زہرِ عشق کے سوا تین مثنویات بہارِ عشق، فریبِ عشق اور لذتِ عشق کے نام سے موسوم ہیں"۔

انتخابِ زرّیں میں راس مسعود نے بھی یہی لکھا ہے اور اِس کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ یہ قول نظامی کی تحریر پر مبنی ہے۔ انتخابِ زرّیں پہلی بار نظامی بدایونی کے پریس سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا تھا۔ زہرِ عشق کے ذیل میں لکھا ہوا ہے کہ اِس کا سالِ تصنیف "غمِ دل ربا"

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:05
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

سے برآمد ہوتا ہے۔ "غمِ دل ربا" کا مادۂ تاریخ نظامی نے اپنے نسخۂ زہرِ عشق کے دیباچے میں لکھا تھا [اِس کی مفصّل بحث "زمانۂ تصنیف" کے عنوان کے تحت آئی ہے]۔ اِسی بنا پر یہ میری رائے ہے کہ راس مسعود نے اِس روایت کے سلسلے میں نظامی کی تقلید کی ہے۔ خم خانۂ جاوید میں شوق کے احوال میں لکھا گیا ہے: "ان کی شہرت کے اربعہ عناصر حاز مثنویاں ہیں، یعنی بہارِ عشق، زہرِ عشق، فریبِ عشق، لذّتِ عشق" [جلدِ پنجم، ص ۱۰۳]۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے مقالے میں لکھا ہے: "مثنویاں منسوب تو اُن کی جانب کئی ایک ہیں، لیکن لذّتِ عشق کی زبان قطعاً شوق کی زبان نہیں" [زہرِ عشق، مرتبۂ مجنوں گورکھ پوری، ص ۵۶]۔ اِس پر مجنوں صاحب نے لکھا: "سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب عبدالماجد صاحب کن شواہد کی بنا پر یہ کہتے ہیں کہ فریبِ عشق اور لذّتِ عشق کی زبان، شوق کی زبان نہیں ہے" [ایضاً، ص ۸]۔

مشکل یہ ہے کہ بندش کی چُستی، زبان کا حُسن، کلام کی پختگی؛ یہ باتیں اور ایسی ہی بعض دوسری باتیں "شواہد" سے ثابت نہیں کی جاتیں، یہ معاملہ سرتاسر ذوقی اور وجدانی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجنوں صاحب نے لذّتِ عشق کو صرف اِدھر اُدھر سے دیکھا ہے۔ اِس مثنوی کی زبان اور شوق کی زبان میں اندھیرے اُجالے کا فرق ہے، بہ قولِ گیان چند جین: "اِس کی زبان شوق تو درکنار، اُس عہد کے دوسرے مثنوی نگاروں سے بھی پست ہے ..... اِس کی زبان پکار پکار کر انکار کر رہی ہے کہ میں شوق کی تراوشِ خامہ نہیں ہوں" [اردو مثنوی شمالی ہند میں، جلدِ دوم، ص ۱۱۵]۔

احسن لکھنوی، شوق کی نواسی کے لڑکے تھے [حیاتِ شوق، ص ۵]۔ اُنھوں نے زہرِ عشق کے متعلق ایک مضمون لکھا تھا، جس کا عنوان تھا: "مثنوی زہرِ عشق کیوں کر وجود میں آئی"۔ یہ مضمون مجنوں کے مرتّب کیے ہوئے نسخۂ زہرِ عشق میں شامل ہے۔ [اصلاً یہ مجلّہ نگار (لکھنؤ) میں شائع ہوا تھا، مگر میں نے وہ شمارہ نہیں دیکھا]۔ اِس مضمون میں احسن صاحب نے لکھا ہے: "ایک اور مثنوی اُنھوں نے قیصر باغ کی تعریف میں لکھی تھی، جو طبع نہیں ہوئی"۔ عطاء اللہ پالوی نے اِس پر مفصّل بحث کی ہے، اُن کا کہنا ہے: "احسن صاحب کا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:05
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

یہ قول ناقابلِ تسلیم ہے" [تذکرۂ شوق، ص ۶۶]۔ پالوی صاحب کی بات درست معلوم ہوتی ہے اور اِس سلسلے کی جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں، اُن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسی کوئی مثنوی نہیں تھی۔ "آج تک اُس کا کہیں پتا نشان اور ذکر کسی کی زبان و تحریر میں نہیں سُنا اور دیکھا گیا"۔ گیان چند جین کے الفاظ میں: "مزید ثبوت کے بغیر احسن کا یہ بیان تسلیم نہیں کیا جا سکتا"۔ پالوی صاحب نے جو تفصیلات لکھی ہیں اور جن متعلقات پر بحث کی ہے، اُن کے پیشِ نظر احسن کا یہ بیان بھی اُن کے پچھلے بیان کی طرح ناقابلِ قبول معلوم ہوتا ہے۔ احسن ڈراماٹویس بھی تھے؛ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ڈرامائی انداز کی باتیں کرنا اُن کی طبیعت کا جُز بن گیا تھا۔

عطاء اللہ پالوی نے سب سے پہلے شوق سے غلط طور پر منسوب مثنویوں کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ اُن کے لکھنے کے مطابق لذتِ عشق کے علاوہ خنجرِ عشق، سوزِ عشق اور قہرِ عشق نام کی مثنویوں کو بھی مختلف تاجرانِ کتب نے شوق سے منسوب کیا ہے۔ آخری دونوں مثنویوں کے متعلق اُنھوں نے لکھا ہے کہ اِن کے "نسخے تو انتہائی کوشش کے باوجود نہ مل سکے"۔ آخر الذکر کے متعلق لکھا ہے:

"اِس وقت میرے پیشِ نظر جو مثنوی خنجرِ عشق ہے، وہ چھوٹے سائز کے ساٹھ صفحات پر محیط ہے، جسے سب سے پہلے شیخ محمد عبدالرحمٰن و محمد عبداللہ تاجرانِ کتب دھام پور ضلع بجنور نے قیومی پریس دھام پور میں چھپوایا ہے۔ اِس کے سرورق پر زہرِ عشق کا یہ مشہور شعر درج ہے:

یاد اِتنی تمھیں دلاتے جائیں ∴ پان کل کے لیے لگاتے جائیں

اور اِس کے بعد یہ بھی لکھا ہوا ہے: "مصنفۂ جناب نواب مرزا صاحب شوق لکھنوی"۔ اِسی ورق پر خنجرِ عشق کو "زہرِ عشق حصّۂ چہارم" کہا گیا ہے اور آخری ورق پر ایک اعلان یوں درج ہے:

"اگر جناب کو اِس سے اچھا اور دل چسپ مضمون دیکھنے کا شوق ہے، تو اِس سے پہلا حصّہ جس میں پورا قصّہ دکھلایا ہے، جلد منگوائیے،

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:05
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

یعنی زہرِ عشق، فریبِ عشق، لذتِ عشق، بہارِ عشق، سوزِ عشق، قہرِ عشق وغیرہ"۔

گویا لذتِ عشق، خنجرِ عشق، سوزِ عشق اور قہرِ عشق وغیرہ بھی شوق کی مثنویاں اور مثنوی زہرِ عشق کے ابتدائی حصے ہیں"۔ [تذکرۂ شوق، ص ۶۱-۶۲]

خنجرِ عشق کے متعلق گیان چند جین نے بھی معلومات بہم پہنچائی ہے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ "یہ مثنوی ابوالحسن حسن کاندھلوی کی تصنیف ہے۔ حسن کا وطن کاندھلہ ضلع مظفر نگر تھا۔ یہ رنگین کی مثنوی چار باغ کے حاشیے پر ۱۲۶۸ھ، ۱۸۵۲ء دلّی میں شائع ہوئی ہے"۔ اِس اشاعت میں اِسے حسن ہی کی تصنیف بتایا گیا ہے۔ "مطبعِ صفدری بمبئی نے اِسے شوق کی زہرِ عشق کے ساتھ ایک جلد میں چھاپ دیا اور سرورق پر "مثنوی زہرِ عشق مع مثنوی خنجرِ عشق" لکھ دیا۔ اہلِ مطبع نے مصنف کا نام نہیں لکھا۔ دیوانہ را ہوئے بس است، پاکستان سے رسالہ روحِ ادب کا مثنوی نمبر شائع ہوا ہے، اُس میں خنجرِ عشق کو شوق کی تصنیف قرار دیا گیا ہے"۔ [اردو مثنوی شمالی ہند میں، جلدِ دوم، ص ۹۲-۱۱۶]۔

مطبعِ تیغ بہادر لکھنؤ سے بہارِ عشق کا جو نسخہ شائع ہوا ہے [اِس کا عکس میرے سامنے ہے] اُس کے آخر میں ایک "اعلان" ہے:

"شوق مرحوم کی دیگر تصانیف یعنی بہارِ عشق، فریبِ عشق، لذتِ عشق، زہرِ عشق، خنجرِ عشق اُن کی تصنیف سے تھی۔ زہرِ عشق سب سے مشہور و مقبول مثنوی ہے، جس کا خوب صورت اڈیشن حال میں چھپا ہے....."

اِس میں بھی لذتِ عشق کے ساتھ خنجرِ عشق کو بھی شوق کی تصنیف بتایا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ لذتِ عشق کے ساتھ "خنجرِ عشق کو شوق سے منسوب کرنے میں اہلِ مطبع اور تاجرانِ کتب کا ہاتھ ہے"۔ اب تک کی مصدقہ معلومات کے مطابق شوق کی تین مثنویاں ہیں: فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق۔

مثنویات کا زمانۂ تصنیف

(۱) فریبِ عشق ——: اِس مثنوی میں ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی جس کی مدد سے اِس کے سنہِ تصنیف یا زمانۂ تصنیف کا تعین کیا جا سکے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے زبان اور بیان

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:05
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کی نسبت سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شاید یہ ابتدائی زمانۂ شاعری کی تصنیف ہو: "ممکن ہے نومشقی کے زمانے کی ابتدائی تصنیف ہو"۔ [زہرِ عشق، مرتبہ مجنوں گورکھ پوری، ص ۵۶]

مجنوں گورکھ پوری کی رائے میں: "اِس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فریبِ عشق کی زبان اُتنی پُختہ اور کسی ہوئی نہیں جتنی کہ زہرِ عشق اور بہارِ عشق کی ہے؛ مگر اِس کے صرف یہ معنی ہیں کہ زہرِ عشق اور بہارِ عشق بعد کی تصنیفیں ہیں، اِس لیے زبان زیادہ چُست اور رواں ہے" [ایضاً، ص ۹]۔ اِن دونوں حضرات کے خیال کے مطابق شوق کی تینوں مثنویوں میں فریبِ عشق پہلی تصنیف ہے۔ یہ دونوں رائیں قیاس پر مبنی ہیں۔

عطاء اللہ پالوی نے اپنی قابلِ قدر تصنیف تذکرۂ شوق میں شوق کی مثنویوں کے زمانۂ تصنیف کے متعلق تفصیل کے ساتھ اظہارِ خیال کیا ہے۔ میرے علم کے مطابق وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اِس سلسلے میں مفصّل بحث کی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ اُنھوں نے قیاس کو دلیل اور ثبوت، دونوں کا مرادف فرض کر لیا ہے۔ فریبِ عشق کے متعلق رائے تو اُن کی بھی یہی ہے کہ یہ شوق کی پہلی تصنیف ہے اور اِس کے لیے اُنھوں نے زمانۂ تصنیف کا تعین کرنا چاہا ہے:

"شوق لکھنوی کی سب سے پہلی مثنوی فریبِ عشق ہے، جو ۱۲۶۱ھ [۱۸۴۶ء] اور ۱۲۶۳ھ [۱۸۴۷ء] کے درمیان لکھی گئی" [تذکرۂ شوق، ص ۱۰۵]۔

لیکن آگے چل کر اُنھوں نے سنہِ تصنیف کا تعین بھی کر دیا:

"یہ حال تھا ۱۲۶۵ھ کے لکھنؤ کا۔ فریبِ عشق اِس سے دو سال پہلے کی تصنیف ہے" [ایضاً، ص ۲۰۸]۔

اِس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی رائے میں اِس مثنوی کا سالِ تصنیف ۱۲۶۳ھ ہے۔ پالوی صاحب نے پہلے زمانۂ تصنیف اور پھر سالِ تصنیف کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ محض قیاسات کا مجموعہ ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"فریبِ عشق میں حمد، نعت اور منقبت کے بعد "مدحِ سلطان" نہیں ہے؛ جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء سے پہلے کی تصنیف ہے اور اِس تصنیف کے وقت شوق نے ضرورت نہ سمجھی کہ وہ خواہ مخواہ بادشاہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:05
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کی مدح سرائی کریں۔ واجد علی شاہ کے بعد کی یہ تصنیف اِس لیے نہیں ہو سکتی کہ اُس وقت لکھنؤ لُٹ چکا تھا اور تختِ اودھ خالی ہو جانے سے لوگوں کے دل پژمردہ ہو چکے تھے اور طبیعتوں میں وہ رنگینی باقی ہی نہیں رہی تھی، جو فریبِ عشق لکھنے کے لیے ضروری تھی۔"

[ایضاً، ص ۹۵]

کسی کتاب میں فرماں روائے وقت کی مدح کا شامل نہ ہونا، اِس کی دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ کتاب اُس بادشاہ کے عہدِ حکومت میں نہیں لکھی گئی۔ اِس کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ کتاب کا زمانۂ تصنیف متعین ہے، مگر اُس میں اُس زمانے کے فرماں روا کا ذکر نہیں۔ بہ قولِ گیان چند جین: "مدح کا نہ ہونا کچھ بھی ثابت نہیں کرتا، نہ یہ کہ فریبِ عشق واجد علی شاہ کے دور میں نہیں لکھی گئی، اور نہ یہ کہ امجد علی شاہ کے دور میں لکھی گئی۔ واجد علی شاہ کے دور میں بھی عین ممکن تھا کہ مثنوی لکھی جائے اور اُس میں مدحِ سلطان نہ لکھی جائے۔"

[اُردو مثنوی شمالی ہند میں، جلدِ دوم، ص ۱۱۸]

ایک بات اور: پالوی صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ واجد علی شاہ کی مدح شاملِ مثنوی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ "۱۲۶۳ھ سے پہلے کی تصنیف ہے"۔ اُن کا یہ قول، اُنھی کے اِس قول سے مطابقت نہیں رکھتا جس کے مطابق یہ مثنوی "۱۲۶۵ھ سے دو سال پہلے" یعنی ۱۲۶۳ھ کی تصنیف ہے۔ غرض کہ واجد علی شاہ کی مدح شامل نہ ہونے کی بنیاد پر زمانۂ تصنیف کے متعلق قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ نہ کسی خاص سنہ کا تعین کیا جا سکتا ہے اور نہ زمانۂ تصنیف کا۔

پالوی صاحب نے مزید لکھا ہے: "فریبِ عشق کو یوں بھی سب سے پہلی تصنیف سمجھنا پڑے گا کہ اُس میں شوق نے علی الترتیب پہلے اپنے لڑکپن کا ذکر کیا ہے، اُس کے بعد عُنفوانِ شباب اور الھڑ پن کے زمانے کا..... انسان ..... ابتدائی عہدِ شباب میں "عشق" نہیں، ہوس کا شکار رہتا ہے۔" [تذکرۂ شوق، ص ۹۹]۔

اِس خیال کی بنیاد جس مفروضے پر ہے، اُس کے ناقابلِ قبول ہونے پر غور نہیں کیا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:05
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

گیا۔ پالوی صاحب نے شوق کا سالِ ولادت ۱۱۹۷ھ لکھا ہے [ایضاً، ص ۳۹] اور فریبِ عشق کا سالِ تصنیف ۱۲۶۳ھ متعین کیا ہے۔ اِس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ خود اُن کے حساب کے مطابق فریبِ عشق کی تصنیف کے وقت شوق کی عُمر چھیاسٹھ برس کی تھی۔ کیا ۶۶ برس کی عمر کو "نوجوانی" کا زمانہ کہا جا سکتا ہے؟ اِس صورت میں اُنھی کے حساب کے مطابق یہ تعین بے بنیاد نظر آئے گا۔ اگر اِس کی تاویل اِس طرح کی جائے کہ مثنوی تو بُڑھاپے میں لکھی تھی، لیکن یہ "واقعہ" نوجوانی میں پیش آیا تھا؛ مگر اِس کا ثبوت کیا ہے؟ کس بنیاد پر اِس خیال آرائی کو قبول کیا جائے؟

پھر یہ مفروضہ کہ انسان ابتدائی عہدِ شباب میں عشق کا نہیں، ہوس کا شکار رہتا ہے؛ بہ طورِ قاعدۂ کلیہ شاید ہی کسی کے لیے قابلِ قبول ہو سکے۔ اِس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ابتدائی عہدِ شباب کے بعد وہ ہوس کا شکار نہیں ہو سکتا؛ اِسے عمومی قاعدے کے طور پر کون مانے گا۔ شوق کی مثنوی بہارِ عشق عہدِ واجد علی شاہ کی تصنیف ہے، اِس کی پہلی اشاعت ۱۲۶۶ھ کی ہے۔ لازماً یہ اِس سنہ یعنی ۱۲۶۶ھ سے پہلے لکھی گئی ہے۔ اِس مثنوی میں بُل ہوسی عروج پر نظر آتی ہے، فریبِ عشق اِس لحاظ سے اِس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ پالوی صاحب کے درج کردہ سالِ ولادتِ شوق [۱۱۹۷ھ] کے حساب سے یہ زمانہ، اُن کے "عنفوانِ شباب" اور "اقطرین" کا نہیں تھا؛ اِس صورت میں کیا کہا جائے گا؟ پالوی صاحب نے لکھا ہے،

> "فریبِ عشق شوق کا کارنامۂ اوّل ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ لکھنوی پُرتکلّف طرزِ ادا اور پُرتصنّع ماحول و فضا سے متاثر ہو کر شوق نے فریبِ عشق میں ناسخیت قبول کر لی ہے اور غیر ارادی طور سے بعض جگہ فرسودہ روایتِ لفظی سے کام لے گئے ہیں، مثلاً:
>
> مردوا نوج ہوئے اِس گت کا — جیسے دھونسا نگوڑا نوبت کا
> سُن کے یہ پھبتی، میں نے اُس سے کہا — اب یہ نوبت ہوئی ہماری بجا
> بُولی چُپ رہیے، منہ کی کھائیے گا — اک ذرا سینک کر بجائیے گا" [ایضاً، ص ۹۸]

اِس عبارت سے واضح طور پر یہ مطلب نکلتا ہے کہ فریبِ عشق میں تو شوق "فرسودہ روایت

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:06
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

لفظی سے کام لے گئے ہیں" اور اُن کی باقی دونوں مثنویوں میں یہ انداز نہیں ملتا، یوں کہ اُس وقت تک وہ ایسے تقلیدی انداز سے آزاد ہو چکے تھے۔ یہ ایسی قیاس آرائی ہے جس کو ایسا کوئی شخص قبول نہیں کر سکتا جس نے اِن مثنویوں کو نظر جما کر پڑھا ہو۔ بہارِ عشق اور زہرِ عشق سے رعایتِ لفظی کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں، اِنھی سے اُن کے "استدلال" کا ناقابلِ قبول ہونا خود بہ خود واضح ہو جائے گا:

ذکرِ اُلفت سے جلتے بھنتے تھے　　کبھی واسوخت تک نہ سنتے تھے

دل سے وہ بحرِ حُسن پیارا تھا　　سیرِ دریا سے خود کنارا تھا

باولی ہو جو تیرے فقرے میں آئے　　چاہ میں جان اپنی کون گنوائے

مو بمو زلفِ یار کا تھا اسیر　　ناتوانی تھی پاؤں کی زنجیر

وہ چھٹے ہم سے، جس کو پیار کریں　　جبر کیوں کر یہ اختیار کریں

مثالیں اور بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ رعایتِ لفظی ایک عام انداز رہا ہے، اُس کی کمی بیشی کی بنا پر کوئی قطعی نتیجہ نکالنا مناسب نہیں ہوگا۔ بہارِ عشق اور فریبِ عشق کا رعایتِ لفظی کے لحاظ سے میں نے تقابلی مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ بہارِ عشق میں ایسے اشعار زیادہ ہیں جن میں ضلعے کی رعایت یا کوئی اور لفظی مناسبت ہے؛ تو کیا اِس کی بنیاد پر یہ مان لینا درست ہوگا کہ بہارِ عشق پہلے لکھی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ بہارِ عشق کے تقدم کو اِس بنا پر نہیں مانا جا سکتا۔ ایسی باتیں دلیل اور ثبوت کے تحت نہیں آتیں، اِس لیے اخذِ نتائج کے سلسلے میں اُن کو بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔

غرض کہ اِس مثنوی کے سنِ تصنیف سے متعلق پالوی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، وہ قیاس آرائیوں کا مجموعہ ہے، اِس بنا پر اُن کے نتائج کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

ڈاکٹر شاہ عبدالسلام کی کتاب دبستانِ آتش ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی تھی، اُس میں اُنھوں نے کسی طرح کی وضاحت کے بغیر لکھا ہے:

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:06
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

"فریبِ عشق، یہ شوق کی سب سے پہلی مثنوی ہے۔ شوق نے ۱۸۴۶ء میں اِسے مکمل کیا" [ص ۱۶۲]۔

اِس کے ایک سال بعد اُن کا مرتب کیا ہوا "کلیاتِ نواب مرزا شوق لکھنوی" شائع ہوا۔ اُس میں بھی لفظ بہ لفظ یہی عبارت ملتی ہے۔ ظاہر ہے کہ سند اور ثبوت کے بغیر ایسا کوئی بیان قابلِ قبول ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے محوّلہ بالا مضمون میں لکھا ہے:

"لذتِ عشق کی زبان قطعاً شوق کی زبان نہیں اور فریبِ عشق بھی بہ مشکل اُن کی تسلیم کی جاسکتی ہے؛ ممکن ہے نومشقی کے زمانے کی ابتدائی تصنیف ہو"

مجنوں صاحب نے اِس قول پر اِن الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

"سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب عبدالماجد کن شواہد کی بنا پر یہ کہتے ہیں کہ فریبِ عشق اور لذتِ عشق کی زبان شوق کی زبان نہیں..... کم از کم زبان میں کوئی ایسی بات نہیں جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ لذتِ عشق مرزا کی تصنیف نہیں ہے۔ ہاں اِس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فریبِ عشق اور لذتِ عشق کی زبان اُتنی پختہ اور کسی ہوئی نہیں جتنی کہ زہرِ عشق اور بہارِ عشق کی ہے؛ مگر اِس کے صرف یہ معنی ہیں کہ زہرِ عشق اور بہارِ عشق بعد کی تصنیفیں ہیں، اِس لیے زبان زیادہ چُست اور رواں ہے"۔

[زہرِ عشق، مجنوں اڈیشن، ص ۹]

مجنوں صاحب کے رومان زدہ مزاج کو تحقیق کی مشکل پسندی سے دور کی بھی مناسبت نہیں تھی، اِس لیے یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آسکی کہ لذتِ عشق کا شوق سے کچھ تعلق نہیں۔ خیر، یہ تو تحقیق کی بات تھی اور اِس سلسلے میں اُن کو معذور سمجھا جاسکتا ہے؛ مگر یہ کہنا کہ زبان میں ایسی کوئی بات نہیں جس کی بنا پر لذتِ عشق کو شوق کی تصنیف نہ مانا جائے، اور یہ قول مجنوں صاحب کا ہو، تو یہ میرے لیے بہت تعجب کی بات ہے۔ لذتِ عشق

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:06
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کی زبان اور مثنویاتِ شوق کی زبان میں اندھیرے اُجالے کا فرق ہے۔ میں گیان چند جین کی اِس رائے سے پوری طرح متفق ہوں: "اِس کی زبان شوق تو درکنار، اُس عہد کے دوسرے مثنوی نگاروں سے بھی پست ہے۔ اِس کی زبان پکار پکار کر انکار کر رہی ہے کہ میں شوق کی تراوشِ خامہ نہیں ہوں..... اِن اشعار کو شوق سے منسوب کرنا شوق کی توہین ہے"۔

[اُردو مثنوی شمالی ہند میں، جلد دوم، ص ۱۱۵]

لذتِ عشق کی بات تو بیچ میں نکل آئی، اصل بات فریبِ عشق کی زبان کی تھی۔ پالوی صاحب نے مجنوں صاحب کے متعلقہ قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "اِس سے بھی مجھے انکار ہے کہ فریبِ عشق کی زبان زہرِ عشق اور بہارِ عشق کی حد تک کسی ہوئی نہیں ہے، اِس لیے کہ بہارِ عشق سے زیادہ سلاست و روانی فریبِ عشق کی ہیروئن کے بیان میں ہے۔ چوں کہ بہارِ عشق میں محاورات زیادہ نظم ہوئے ہیں، اِس لیے اُس کی زبان اُنھیں زیادہ کسی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ البتہ یہ ضرور درست ہے کہ فریبِ عشق، شوق کی سب سے پہلی تصنیف ہے؛ کیوں کہ اِن اقوال کے علاوہ اور بھی شواہد ہیں، جن کی بنا پر اِس کی اوّلیت کا اعتراف ناگزیر ہے"۔
>
> [تذکرۂ شوق، ص ۹۵]

پالوی صاحب کے پیش کردہ اہم شواہد" کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ اُنھوں نے "شواہد" اور "قیاسات" کو ہم معنی سمجھ لیا ہے۔ مولانا ماجد کی رائے کو اگر ایک صاحبِ نظر اور زبان شناس کی رائے سمجھ کر مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اِسے قیاس کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ اِس طرح قیاساً یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ شوق کی پہلی تصنیف ہوسکتی ہے۔ سنہ تصنیف کا تعین نہیں کیا جاسکتا اور قطعیت کے ساتھ زمانۂ تصنیف کا بھی تعین نہیں کیا جاسکتا۔

بہارِ عشق اِس مثنوی میں حمد و نعت و منقبت کے بعد واجد علی شاہ کی مدح موجود ہے۔ ایک اور شعر میں بھی اُن کا نام آیا ہے:

نہ سمجھنا زمانہ اَور ہے یہ شاہ واجد علی کا دَور ہے یہ

42
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:06
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اِس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ مثنوی اُن کے دورِ حکومت [۱۲۶۳ھ ـــ ۱۲۷۲ھ/۱۸۴۷ء ـ ۱۸۵۶ء۔ نجم الغنی خاں، 'تاریخِ اودھ' جلدِ پنجم] میں لکھی گئی تھی۔ اِس مثنوی کا قدیم ترین اڈیشن، اب تک کی معلومات کے مطابق وہ ہے جو مطبعِ سلطان المطابع میں ۱۲۶۶ھ میں چھپا تھا۔ اِس کے خاتمۃُ الطّبع کی عبارت بہت اہمیت رکھتی ہے، ذیل میں اُس کو نقل کیا جاتا ہے۔ اِس عبارت کا عنوان "نثرِ خاتمہ" ہے :

"الحمدللّٰہ یہ نسخہ معجون محبت دافع خفقان عاشقان اور مرہم زخم داغ دل ریشان منظومۂ حکیم ارسطوی زمان فلاطون دوران کہ نام نامی اور اسم گرامی تصدق حسین خان اور عرف سامی حکیم نواب مرزا صاحب شاعر شیریں زبان سر دفتر سخنوران جہان طوطی ہندوستان بلبل خوش الحان نے حسب استدعای دوستان اور بفرمایش عمدۃ الاکابر نواب ابو تراب خان صاحب بہادر دام اقبالہ کے بحر تفکر مین غواصی کر کے اس در شاہوار اور گوہر آبدار کو رشتۂ نظم میں منسلک کیا اور بہار عشق نام رکھا اگر چشم انصاف سے بغور سیر کیجیے تو حق یون ہے کہ ابتدای اردوی معلیٰ سے آج تک ایسی نظم مسلسل شعرای سابق وحال کی نظر سے بہت کم گزری ہو گی اور کسی نے محاورات مستورات محل کے باین لطافت و فصاحت کبھی نہ سنے ہوں گے حسب فرمان واجب الاذعان نواب صاحب ممدوح یہ نسخہ حیرت افزا بیچ شہر شوال ۱۲۶۶ہجری کے قالب طبع میں آیا۔"

اِس عبارت سے دو باتیں وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ مثنوی خاص کر "نواب ابو تراب خاں" کی فرمایش پر لکھی گئی تھی۔ دوسری بات یہ کہ اُنھی کی فرمایش پر یہ مثنوی اِس مطبعے میں چھپی تھی۔ اِس نثرِ خاتمہ کی بنیاد پر اگر اِس اڈیشن کو اِس مثنوی کی پہلی اشاعت مان لیا جائے تو بہ ظاہر اِس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ میری رائے میں اِس اشاعت کو اِس مثنوی کی اشاعتِ اوّل مان لینا چاہیے۔ اِس طرح اِس مثنوی کے زمانۂ تصنیف کی آخری حدّ تعین ہوجاتا ہے، یعنی یہ بات معلوم ہوجاتی ہے یہ مثنوی شوّال ۱۲۶۶ھ [اگست ۱۸۵۰ء] سے پہلے لکھی جاچکی

43
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:06
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

تھی۔ کتنے دن پہلے ؟ قطعیت کے ساتھ اِس مدت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مدت دو چار یا چار چھے مہینے کی بھی ہو سکتی ہے اور دو چار سال کی بھی۔ ڈاکٹر گیان چند جین کی رائے میں:

"چوں کہ یہ مثنوی ایک ذی اقتدار نواب کی فرمایش پر لکھی گئی اور شائع کی گئی، کوئی وجہ نہیں کہ تصنیف کے بعد طباعت میں دیر ہوئی ہو۔ اِسی لیے اِس کی تاریخ ۱۲۶۶ھ تسلیم کی جا سکتی ہے۔"

[اُردو مثنوی شمالی ہند میں، جلد دوم، ص ۱۲۰]

جین صاحب کی بات قرینِ قیاس تو ہے، دل کو لگتی ہوئی بھی معلوم ہوتی ہے؛ مگر اِس قیاس کو حتمی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ یعنی قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اِس کی تصنیف اور طباعت کا درمیانی وقفہ کتنا تھا۔ بہ ہر طور ہم اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مثنوی صفر ۱۲۶۳ھ کے بعد اور شوال ۱۲۶۶ھ سے پہلے لکھی گئی تھی۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سارے قرائن اِس پر دلالت کرتے ہیں کہ ۱۲۶۶ھ کی مذکورہ اشاعت، اِس مثنوی کی پہلی اشاعت ہے۔ اِسی کے ساتھ قیاساً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اِس کی تصنیف اور طباعت میں کوئی لمبا وقفہ حائل نہیں ہوا ہوگا، اگرچہ ہم اُس وقفے کا حتمی طور پر تعین نہیں کر سکتے۔

شاہ عبدالسلام نے اپنے مرتبہ کلیاتِ شوق کے مقدمے میں لکھا ہے: "شوق کی دوسری مثنوی بہارِ عشق ہے۔ یہ ۱۸۴۷ء میں منظرِ عام پر آئی" [ص ۲۵]۔ اُن کی دوسری کتاب دبستانِ آتش میں بھی یہی عبارت ہے۔ "منظرِ عام پر آئی" خاصا پہلو دار جملہ ہے۔ اِس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اِس سنہ میں یہ لکھی گئی، اور یہ بھی کہ اِس سنہ میں شائع ہوئی — اگر یہاں مراد اِس مثنوی کی اشاعت ہے، تو یہ درست نہیں، یوں کہ شوال ۱۲۶۶ھ کی مطابقت ۱۸۵۰ء سے ہوتی ہے۔ تقویم [شائع کردۂ انجمن ترقیِ اردو کراچی] کے مطابق یکم شوال ۱۲۶۶ھ، ۸ر اکتوبر ۱۸۵۰ء کے مطابق ہے۔ اگر مراد تصنیف سے ہے، تو یہ اِس بنا پر قابلِ قبول نہیں کہ اب تک اِس مثنوی کے سنہِ تصنیف کا حتمی طور پر تعین نہیں کیا جا سکا ہے۔

پالوی صاحب نے اِس مثنوی کے متعلق لکھا ہے: "بہارِ عشق میں ..... واجد علی شاہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:06
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

یعنی واجد علی شاہ کی تخت نشینی کے بعد، مگر ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء سے پہلے لکھی گئی ہے" [تذکرۂ شوق، ص ۱۰۳]۔

پالوی صاحب کے قول کا پہلا جُز تو ٹھیک ہے، لیکن دوسرا جُز تصحیح طلب ہے۔ اُنھوں نے آخری حد کے طور پر ۱۲۶۸ھ کا تعین اِس بنا پر کیا کہ اُن کو اِس مثنوی کا سب سے پُرانا مطبوعہ نسخہ اِسی سنہ کا ملا تھا۔ اُنھوں نے اِس کی صراحت بھی کر دی ہے:

"بہارِ عشق کا سب سے پہلا اور پُرانا جو مطبوعہ نسخہ ملتا ہے، وہ ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ء کا ہے جو کان پور سے چھپا ہے۔ اِس کا ایک نسخہ پروفیسر ڈاکٹر عندلیب شادانی کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے" [ایضاً، ص ۱۰۴]۔

سلطان المطابع والا نسخہ جو ۱۲۶۶ھ کا ہے، اُن کو نہیں مل سکا تھا۔ یہ ضروری بھی نہیں کہ کسی کتاب کے سب اہم نسخے کسی شخص کو مل ہی جائیں، لہٰذا اِس سلسلے میں تو پالوی صاحب پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا؛ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ایسے مواقع پر تحقیق کی احتیاط پسندی کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور یہ واضح کر دینا چاہیے کہ میرے سامنے سب سے قدیم اڈیشن یہ ہے اور اِس طریقۂ کار کے تحت اُنھیں ۱۲۶۸ھ کی اشاعت کو "سب سے پہلا" اڈیشن نہیں لکھنا چاہیے تھا۔

یہ تو تحقیق کے طریقۂ کار کی بات ہوئی۔ اِس سے قطعِ نظر کر کے بھی اُن کے قول کے ناقابلِ قبول ہونے کو واضح کیا جا سکتا ہے۔ ۱۲۶۸ھ والے اڈیشن کے آخر میں جو "نثرِ خاتمہ" ہے، اُس میں یہ لکھا ہوا ہے: "حکیم نواب مرزا صاحب.... نے حسب استدعای بعضے دوستان لطیف..... دوبارہ بحرِ تفکر میں غواصی کر کے اِس درِ شاہوار اور گوہرِ آبدار کو رشتۂ نظم میں منسلک کیا"۔ لفظِ "دوبارہ" واضح طور پر اشارہ نما ہے کہ یہ دوسرا اڈیشن ہے، اِس صورت میں اِسے "سب سے پہلا" اڈیشن کہا ہی نہیں جا سکتا۔

ڈاکٹر حیدر نے اپنے تحقیقی مقالے حیاتِ شوق میں مثنویاتِ شوق کے زمانۂ تصنیف کے سلسلے میں نئی بات کہی ہے۔ اُن کا یہ کہنا ہے کہ شوق نے اپنی "مثنویاں محمد علی شاہ کے زمانے سے پہلے، یعنی نصیر الدین حیدر کے عہدِ حکومت ۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۷ء میں، مگر ۱۸۳۰ء کے بعد مکمل کی ہیں" [حیاتِ شوق، ص ۲۰۸]۔ مقالہ نگار نے قطعیت کے ساتھ فرض کر لیا ہے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:06
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کہ یہ مثنویاں عہدِ نصیر الدین حیدر میں ۱۸۳۰ء اور ۱۸۳۷ء کے درمیان لکھی گئیں۔ اِس مفروضے کو مان لینے کے راستے کی ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ بہارِ عشق کے شروع میں واجد علی شاہ کی مدح ہے اور مثنوی میں ایک اور جگہ بھی فرماں روائے وقت کی حیثیت سے اُن کا نام آیا ہے۔ اِس کا بہت آسان حل اُنھوں نے یہ پیش کیا کہ بہارِ عشق میں:

"وقتاً فوقتاً ترمیم و تنسیخ و اضافے ہوتے رہے۔ بہت ممکن ہے کہ واجد علی شاہ سے متعلق تمام اشعار بعد میں ضرورتاً یا مصلحتاً جوڑ دیے گئے ہوں، بالکل اُسی طرح جس طرح "ترغیبِ عشقِ حقیقی" کے ۲۳ شعروں کا اضافہ بعد میں کیا گیا۔ ہم نے مثنوی بہارِ عشق کے اُن مقامات کا بہ غور مطالعہ کیا جہاں جہاں پر واجد علی شاہ سے متعلق اشعار درج ہیں اور یہ دیکھا کہ اُن اشعار کو اگر درمیان سے نکال دیا جائے تو مثنوی کے تسلسل میں ذرا بھی فرق نہیں آتا" [ایضاً، ص ۲۰۴]۔

"بہت ممکن ہے" اور "ایسا ہوا ہوگا" جیسے کلمات کے ساتھ آپ جو چاہیں، لکھ سکتے ہیں۔ یہاں بھی یہی ہوا ہے۔ مقالہ نگار نے یہ "فرضی لطیفہ" تراشا ہے اور اُسے پیش کیا ہے بہ طورِ واقعہ۔ اُنھوں نے یہ جو لکھا ہے کہ جس طرح "ترغیبِ عشقِ حقیقی" کے ۲۳ اشعار بعد کو شامل کیے گئے، اُسی طرح مدحِ واجد علی شاہ کے اشعار بھی بعد کو جوڑ دیے گئے ہوں گے؛ مگر اُن کی اِس بات کو اِس بنا پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ مدحِ واجد علی شاہ کے اشعار اُس اشاعت میں موجود ہیں [سلطان المطابع ۱۲۶۲ھ] جس کو اِس مثنوی کی اشاعتِ اوّل کہنا چاہیے، اور "ترغیبِ عشقِ حقیقی" والے اشعار اُس اشاعت میں شامل ہیں جسے اِس مثنوی کی اشاعتِ ثانی کہنا چاہیے [مطبعِ محمدی کان پور ۱۲۶۸ھ]۔ اِس اشاعت کی "نشرِ خاتمہ" میں یہ صراحت موجود ہے کہ اِس اشاعت میں خود مصنف نے اِن اشعار کا اضافہ کیا ہے۔ یہ خیال کرنا کہ یہ اشعار بعد کو دوسروں نے شامل کر دیے ہوں گے، سراسر خیال آرائی ہے، ایسی خیال آرائی جس کے لیے ادنا درجے کا بھی کوئی قرینہ موجود نہیں۔

اُن کا یہ قول کہ بہارِ عشق میں "وقتاً فوقتاً ترمیم و تنسیخ و اضافے ہوتے رہے۔ یہ قول

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:07
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

سراسر بے بنیاد ہے۔ اِس کی اشاعتِ ثانی [۱۲۶۸ھ] میں نظرِ ثانی کے تحت ایک اضافہ تو یہ ہوا ہے کہ آخرِ مثنوی میں ۲۳ اشعار "ترغیبِ عشقِ حقیقی" کے عنوان سے بڑھائے گئے ہیں۔ یہ اضافہ خود مصنف نے کیا ہے، خاتمے کی عبارت میں اِس کی صراحت موجود ہے بعلاوہ بریں، نظرِ ثانی کے وقت مثنوی میں تین اشعار کا اضافہ ہوا ہے اور طبعِ اوّل کے ایک شعر کو حذف کیا گیا ہے۔ [اِن کی تفصیل "اشعار کی کمی بیشی" کے عنوان کے تحت لکھی گئی ہے] موخر اشاعتوں میں اگر طبعِ ثانی کے مقابلے میں [جو مصنف کا نظرِ ثانی کردہ نسخہ ہے] کچھ فرق ہے، تو اُس کا تعلق اربابِ مطبع سے ہے، مصنف سے نہیں۔ بار بار چھپنے والی کتابوں میں ایسے اختلافات بہ طورِ عموم مل جاتے ہیں۔ یہ کہنا کہ اِس مثنوی میں وقتاً فوقتاً ترمیم و تنسیخ و اضافے ہوتے رہے، غلط فہمی پیدا کرنے والا اندازِ بیان ہے۔ اِس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مصنف نے مختلف وقفوں میں یہ سب کچھ کیا ہے، حالاں کہ مصنف نے صرف ایک بار نظرِ ثانی کردہ نسخے میں، جو ۱۲۶۸ھ میں چھپا ہے، ترمیم و تنسیخ سے کام لیا ہے اور وہ ترمیم و تنسیخ غیر متعین نہیں، اُس کا احوال پوری طرح معلوم ہے۔

حیدر صاحب نے آخری بات تو عجیب بل کہ عجیب تر لکھی ہے۔ اُن کا یہ لکھنا کہ بہارِ عشق کے جن اشعار میں واجد علی شاہ کا نام آیا ہے، اُن کو "اگر درمیان سے نکال دیا جائے تو مثنوی کے تسلسل میں ذرا بھی فرق نہیں آتا" اور یہ اِس کا ثبوت ہے کہ یہ اشعار بعد میں بڑھائے گئے ہیں؛ تو یہ بات بہت ہی حیرت آفریں ہے۔ جن کتابوں میں فرماں روائے وقت کی مدح ہے، یا اُس کا نام آ گیا ہے، اُن میں سے اکثر و بیش تر احوال یہی ہے کہ اُن اجزا کو درمیان سے نکال دیا جائے، تو اصل کتاب کے تسلسل میں ذرا بھی فرق نہیں آئے گا؛ تو کیا ایسی سبھی کتابوں کے لیے یہ فرض کر لیا جائے گا کہ یہ بعد والوں کی پیوند کاری ہے۔ یہ مشہور قول ہے کہ ایک جھوٹ کو نبھانے کے لیے کئی جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ یہی احوال ایسے مفروضوں کا ہوتا ہے کہ ایک مفروضے کو واقعے کا مرادف ماننے کے لیے کئی اور مفروضے تراشنا پڑتے ہیں۔ یہاں بھی یہی ہوا ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:07
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

زہرِ عشق

فریبِ عشق کی طرح اِس مثنوی میں بھی ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی جس کی مدد سے سنہِ تصنیف یا زمانۂ تصنیف کا تعین کیا جا سکے۔ متعدد کتابوں میں اِس کا سنہِ تصنیف ۱۲۷۷ھ لکھا گیا ہے۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اِس کا مادۂ تاریخِ تصنیف "غمِ دل رُبا" ہے، جس سے یہی سنہ [۱۲۷۷ھ] نکلتا ہے۔ اِن لکھنے والوں میں سے بیش تر نے تو اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا اور بعض نے اِس بات کو اِس طرح لکھا ہے جیسے اُن کی اپنی دریافت ہو۔ بعض ذمّے دار لکھنے والوں نے ثانوی ماخذ کا حوالہ اِس طرح دیا ہے جیسے وہ اوّلین ماخذ ہو۔

نظامی بدایونی[1] [متوفّی: ۸ جون ۱۹۴۷ء] نے زہرِ عشق کا ایک اڈیشن اپنے مطبع "نظامی پریس بدایوں" سے شائع کیا تھا۔ اِس کا دوسرا اڈیشن میرے سامنے ہے جس پر سالِ طبع "اپریل ۱۹۲۰ء" مرقوم ہے اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ یہ دوسرا اڈیشن ہے۔ نظامی نے اِس پر "دیباچہ" بھی لکھا تھا، جو اِس دوسرے اڈیشن میں بھی شامل ہے، اِس دیباچے کے آخر میں "۲۴ ستمبر ۱۹۱۹ء" مرقوم ہے۔ اِس سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اِس کا پہلا اڈیشن ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا ہوگا۔ اپنے دیباچے میں نظامی نے لکھا ہے:

> "مثنوی زہرِ عشق کا صحیح سالِ تصنیف ہمیں مندرجۂ ذیل قطعۂ تاریخ سے معلوم ہوا ہے جو ایک قلمی نسخے میں نظر پڑا تھا۔ یہ قطعۂ تاریخ حافظ، حکیم، حاجی مجاہد الدین[2] ذاکر بدایونی علیہ الرحمہ نے، جب وہ لکھنؤ میں علمِ طب

---

[1] نظامی بدایونی کے مفصّل حالات کے لیے دیکھیے ڈاکٹر شمس بدایونی کی کتاب: نظامی بدایونی اور نظامی پریس کی ادبی خدمات۔

[2] ذاکر کے مختصر حالات نظامی نے قاموس المشاہیر میں لکھے ہیں۔ اُس میں یہ بھی لکھا ہے: "۲۹ صفر ۱۳۳۴ھ مطابق ۶ جنوری ۱۹۱۶ء بہ عمرِ ۸۳ سال انتقال کیا۔" ضیا علی خاں اشرفی بدایونی نے اپنی کتاب مردانِ خدا میں نسبتاً تفصیل کے ساتھ اِن کا ذکر کیا ہے:

• مجاہد الدین نام تھا، شیخ مبارز الدین حیدر متوفّی کے فرزند تھے۔ نسلی سلسلہ صدّیقی تھا ..... ماہِ ذی الحجہ ۱۲۵۱ھ میں بہ مقامِ بدایوں آپ کی ولادت ہوئی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

5:07
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

کی تحصیل کرتے تھے اور نوّاب مرزا شوق سے رابطۂ اتحاد رکھتے تھے، اسی وقت جب کہ یہ مثنوی تصنیف ہوئی تھی، مرزا صاحب کے اصرار سے لکھا تھا اور اُن کو سُنانے کے بعد اُس کو قلمی نسخے میں شامل کر لیا تھا، اُس وقت اُس کی طبع کی اجازت نہیں دی تھی۔ قطعۂ تاریخِ تصنیفِ مثنوی زہرِ عشق:

پری تھی جو عشقِ بُتاں کی ستائی — ہوئی سحنِ موبن سے اُس کی رہائی
جو بیٹھا میں اِس غم کی تاریخ لکھنے — "غمِ دلربا" سے ہوئی رونمائی
١٢٧٧
کیا عرض رو کر کہ اے ربِّ اکبر — یہ تاریخ شاعر نے اچھی نہ پائی
تو رضواں سرِ جان و دل کھو کے بولا — "شہیدِ محبت ہے جنت کو آئی"
٧ — ١٢٧٧ = ٧ - ١٣٨٤

تھی...... طب کی تعلیم اوّلاً حکیم محمد اسحاق قادری بدایونی سے حاصل کی۔ بعدہٗ لکھنؤ جا کر حکیم محمد یعقوب خاں لکھنوی، حکیم ثناء الدولہ لکھنوی اور حکیم سیّد دستگیر لکھنوی سے تکملہ کیا۔ علمائے عصر سے علمِ ظاہری کی تکمیل کی تھی۔ طب میں جامعیت رکھتے تھے۔ شعر و سخن سے بھی رغبت تھی، ذاکر تخلص تھا۔ خواجہ بہادر حسین فراق لکھنوی اور نوّاب مصطفیٰ خاں شیفتہ دہلوی کے شاگرد تھے۔ قطبِ زماں حضرت سیّد آلِ رسول مارہروی قدس سرّہٗ کے مرید ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا..... ٢٩ صفر ١٣٣٢ھ کو وصال ہوا۔ خواب گاہ اندرونِ شہر محلّہ سوتھا..... بالینِ مزار پر مادۂ تاریخ "مزارِ اقدس ذاکر" پتھر پر کندہ نصب تھا۔ وہ پتھر اب نہیں ہے۔"

مردانِ خدا کا یہ اقتباس ضیا علی خاں صاحب نے خود نقل کر کے بھیجا ہے۔ میرے پاس یہ کتاب نہیں تھی۔ عزیزی عرفان زیدی بدایونی کے توسط سے یہ اقتباس مجھ تک پہنچا۔ قاموس المشاہیر کی عبارت شمس بدایونی صاحب نے بھیجی ہے۔ یہ کتاب بھی میرے پاس نہیں تھی۔ شمس صاحب نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا ہے: " نظامی اور ذاکر ایک ہی خاندانِ متولیان [شیوخِ صدیقی] کے فرد تھے۔ آپس میں قرابت بھی تھی۔ نظامی اُن کو اپنا بزرگ سمجھ کر اُن کے یہاں اکثر و بیشتر جاتے تھے۔ ذاکر کے بیٹے کفیل الدین عالی [ف: ١٩٧١ء] نظامی سے نیازمندانہ تعلق رکھتے تھے۔"

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:07
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اِس قطعے پر گفتگو کرنے سے پہلے، اِس سے متعلق ایک ضمنی بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ سب سے پہلے اِس قطعۂ تاریخ کو نظامی نے زہرِ عشق کے اپنے محولۂ بالا اڈیشن میں پیش کیا تھا، اُس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی اِس کا حوالہ دیا۔ یہ "دریافت" نظامی ہی کی ہے؛ مگر بعض تحریروں میں اِس کا حوالہ اِس طرح آیا ہے کہ بات بدل گئی۔ اِس کی وضاحت کے لیے دو حوالے کافی ہوں گے۔ عطاء اللہ پالوی نے تذکرۂ شوق میں لکھا ہے:

"زہرِ عشق کا تاریخی نام انتخابِ زرّیں کے قول کے مطابق "غمِ دل ربا" ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زہرِ عشق دراصل ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں لکھی گئی ہے۔ سرراس مسعود کی یہ تحقیق صحیح معلوم ہوتی ہے" [ص ۹۱]۔

پالوی صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ زہرِ عشق کا تاریخی نام انتخابِ زرّیں کے مطابق "غمِ دل ربا" ہے، تو یہ درست نہیں۔ اُنھوں نے مادۂ تاریخِ تصنیف کو "تاریخی نام" سمجھ لیا ہے۔ سرراس مسعود نے یہ نہیں لکھا کہ "غمِ دل ربا" زہرِ عشق کا تاریخی نام ہے۔ انتخابِ زرّیں کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

"شوق ..... زہرِ عشق، بہارِ عشق، فریبِ عشق، لذتِ عشق کے مصنف تھے۔ اِن مثنویوں کو تصنیف ہوئے قریب ۶۰ سال کے گزرے۔ مثنوی زہرِ عشق کا سالِ تصنیف ۱۲۶۰ھ "غمِ دل ربا" سے برآمد ہوتا ہے"۔

[انتخابِ زرّیں، مطبوعۂ نظامی پریس بدایوں، بارِ پنجم ۱۹۵۲ء، ص ۹۷ سے ص ۱۰۱ تک]

"تاریخی نام" پالوی صاحب کا اضافہ ہے، جس نے بات کو بدل ہی نہیں دیا، بگاڑ بھی دیا ہے؛ لیکن اصل بات یہ ہے کہ پالوی صاحب کے لکھنے کے مطابق "غمِ دل ربا" راس مسعود کی تحقیق ہے اور یہ قطعی طور پر درست نہیں۔ ہوا یہ ہے کہ انتخابِ زرّیں کے مرتب نے [اُس زمانے کی عام روش کے مطابق] اپنے ماخذ کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یوں نظامی کی "دریافت" اُن کی تحقیق بن گئی۔ یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اِس سلسلے میں انتخابِ زرّیں کے مرتب کا ماخذ زہرِ عشق کا نسخۂ نظامی ہے۔ انتخابِ زرّیں پہلی بار نظامی پریس

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:07
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کو ۱۹۱۹ء میں پیش کر چکے تھے۔

پالوی صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ راس مسعود کو یہ قطعۂ تاریخ ملا کہاں سے۔ اُنھوں نے یہ فرض کر لیا کہ یہ اُنھی کی تحقیق ہے۔ زہرِ عشق کا نسخۂ نظامی پالوی صاحب کو نہیں ملا تھا [اُن کی کتاب میں کہیں اُس کا حوالہ نہیں] مگر یہ ایسی بات نہیں جس پر اعتراض کیا جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی کتاب کے سبھی ضروری نسخے کسی کو مل ہی جائیں۔ بعض باتوں کا علم مختلف وجوہ سے نہیں ہو پاتا؛ اِس لیے میں یہ اعتراض تو نہیں کر سکتا کہ اُنھوں نے نسخۂ نظامی کیوں نہیں دیکھا، یا یہ کہ اُن کو اِس نسخے کا علم کیوں نہیں ہوا؛ ہاں یہ اعتراض ضرور وارد ہوتا ہے کہ کسی حوالے کے بغیر انتخابِ زرّیں کے اندراج کو اُنھوں نے قبول کیسے کر لیا۔ حوالے کے بغیر یہ قابلِ قبول ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

ضمنی طور پر یہ بھی عرض کروں کہ انتخابِ زرّیں کی منقولہ عبارت کا یہ ٹکڑا، "اِن مثنویوں کو تصنیف ہوئے قریب ۶۰ سال کے گزرے" مجموعی طور پر درست نہیں۔ "اِن مثنویوں" میں شوق کی تینوں مثنویاں آجاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ [۱۹۲۱ء میں، جو انتخاب کی اشاعتِ اوّل کا سنہ ہے] فریبِ عشق اور بہارِ عشق کو تصنیف ہوئے قریب ساٹھ سال کے گزرے تھے۔

ڈاکٹر گیان چند جین نے لکھا ہے:

> "زہرِ عشق کی تاریخ کے بارے میں قطعی طور پر معلوم ہے کہ یہ ۱۲۷۷ھ کی تصنیف ہے..... سب سے پہلے سر راس مسعود نے انتخابِ زرّیں میں لکھا کہ زہرِ عشق کی تاریخ "غمِ دل ربا" یعنی ۱۲۷۷ھ ہے۔ عشرت رحمانی صاحب نے دیباچۂ زہرِ عشق میں پورا قطعۂ تاریخ درج کر دیا ہے، جو اُنھیں مثنوی کے ایک قدیم مخطوطے میں ملا۔ یہ قطعہ شوق کے دوست حکیم مجاہد الدین ذاکر بدایونی نے شوق کی فرمایش پر لکھا۔ چوں کہ یہ شاعرانہ اعتبار سے نہایت کم زور تھا، اِس لیے ذاکر صاحب مُصر تھے کہ اِسے شائع نہ کیا جائے، چنانچہ مطبوعہ نسخے میں اِسے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:07
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

حذف کر دیا گیا" [اُردو مثنوی شمالی ہند میں، جلد دوم، طبع دوم، ص ۱۱۷]۔

یہاں یہ غلط فہمی بہ ظاہر عشرت رحمانی صاحب کے مقدمۂ زہرِ عشق سے پیدا ہوئی ہے، جس میں اِس قطعے کو اِس طرح درج کیا گیا ہے جیسے یہ اُن کی اپنی دریافت ہے۔ عشرت رحمانی کا مرتبہ نسخۂ زہرِ عشق مجھے یہاں نہیں مل سکا۔ ڈاکٹر حیدر نے اپنے تحقیقی مقالے حیاتِ شوق میں اُس کا حوالہ دیا ہے اور عشرت صاحب کی عبارت کا ضروری حصہ بھی نقل کر دیا ہے۔ میں حیدر صاحب کی عبارت نقل کیے دیتا ہوں، اِس سے پوری بات سامنے آجائے گی:

"پالوی صاحب کی کتاب تذکرۂ شوق ۱۹۵۶ء میں چھپی تھی۔ اُس سے قبل عشرت رحمانی نے زہرِ عشق کا ایک اڈیشن اپنے مقدمے کے ساتھ ۱۹۵۳ء میں لاہور سے نکالا تھا۔ تاریخِ تصنیف میں جو بات بہت سرسری طور سے لکھی گئی، وہ عشرت رحمانی صاحب نے بہت تفصیل سے پیش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حافظ، حکیم مجاہدالدین ذاکر بدایونی نواب مرزا شوق کے ایک مخلص دوست تھے۔ حکیم صاحب مرحوم اُس زمانے میں لکھنؤ میں مطب کرتے تھے۔ جب یہ مثنوی تصنیف ہوئی، شوق نے حکیم صاحب سے تاریخ کی فرمایش کی اور اُنھوں نے دوست کی تعمیل میں [کذا] یہ قطعہ کہا، جو سب سے پہلے قلمی نسخے میں شامل کیا گیا، لیکن حکیم صاحب کا اصرار تھا کہ اِسے شائع نہ کیا جائے۔ چنانچہ جب یہ مثنوی پہلی بار زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی، تو یہ قطعہ شریکِ اشاعت نہیں کیا گیا۔"

عشرت رحمانی صاحب کے حوالے سے وہ قطعہ ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

[حیاتِ شوق، ص ۲۷۶]

اِس کے بعد وہ قطعہ نقل کیا گیا ہے۔ قطعے کے بعد ڈاکٹر حیدر نے مزید وضاحت کی ہے:

"عشرت رحمانی صاحب نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ یہ قطعۂ تاریخ اُنھیں

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:08
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

ایک قدیم قلمی نسخے سے حاصل ہوا" [ایضاً]۔

واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عشرت رحمانی صاحب کے سامنے نظامی بدایونی والا نسخۂ زہرِ عشق تھا۔ اُنھوں نے اُس کا حوالہ دیے بغیر نظامی کی تحریر کو اِس طرح پیش کیا کہ یہ قطعۂ تاریخ اُن کی دریافت بن گیا۔ عشرت صاحب نے لکھا ہے کہ "ذاکر بدایونی جب لکھنؤ میں مطب کرتے تھے" تب یہ قطعہ لکھا تھا؛ مگر نظامی نے [جو راویِ اوّل ہیں] یہ لکھا ہے کہ "جب وہ لکھنؤ میں علمِ طب کی تحصیل کرتے تھے"۔ بات ہی بدل گئی۔

نظامی نے لکھا ہے کہ یہ قطعۂ تاریخ "ایک قلمی نسخے میں نظر پڑا تھا"۔ عشرت صاحب مدّعی ہیں کہ یہ قطعہ اُنھیں ایک قلمی نسخے سے حاصل ہوا۔ غالباً عشرت صاحب نے یہ خیال کیا ہوگا کہ نظامی کا مرتبہ نسخۂ زہرِ عشق اب کسی ایک شخص کے پاس نہیں ہوگا، اِس لیے کسی جھجک کے بغیر نظامی کی دریافت کو اپنی دریافت بنایا جا سکتا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ زہرِ عشق نسخۂ نظامی [طبعِ اوّل: ۱۹۱۹ء] میں پہلی بار اِس قطعۂ تاریخ کا حوالہ آیا ہے۔ میری معلومات کی حد تک اُس کے بعد اِس قطعے کے مادّۂ تاریخ "غمِ دل رُبا" کا حوالہ انتخابِ زرّیں [طبعِ اوّل: ۱۹۲۱ء] میں آیا ہے، مگر اختصار کے ساتھ اور حوالے کے بغیر۔ اُس کی متعلقہ عبارت یہ ہے: "مثنوی زہرِ عشق کا سالِ تصنیف ۱۲۷۷ھ "غمِ دل رُبا" سے برآمد ہوتا ہے"۔ اِس اختصار سے اور اصل ماخذ کا حوالہ موجود نہ ہونے سے، میری رائے میں غلط فہمی کی بنیاد پڑی۔ نسخۂ نظامی جن لوگوں کی نظر سے نہیں گزرا، وہ بہ آسانی یہ خیال کر سکتے تھے کہ یہ دریافت سرراس مسعود کی ہے۔ عشرت صاحب کی تحریر نے دوسری غلط فہمی کی بنیاد رکھی۔ اُنھوں نے اِس قطعے کو اپنی دریافت کے طور پر پیش کیا۔ یہاں بھی اصل ماخذ یعنی زہرِ عشق نسخۂ نظامی کے پیشِ نظر نہ ہونے سے یہ خیال کیا گیا کہ یہ عشرت صاحب کی دریافت ہے۔ یہ ضمنی بات یہاں ختم ہوئی۔

زہرِ عشق کے زمانۂ تصنیف کے سلسلے میں نظامی کی جو عبارت اوپر نقل کی گئی، اُس میں نہایت ضروری باتوں کی وضاحت شامل نہیں۔ ذاکر کے قطعۂ تاریخ کے لیے اُنھوں نے لکھا ہے کہ: "ایک قلمی نسخے میں نظر پڑا تھا"۔ کون سے قلمی نسخے میں؟ کیا وہ مثنوی زہرِ عشق کا قلمی نسخہ تھا،

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:08
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

یا ذاکر کے دیوان کا خطی نسخہ تھا یا کوئی اور نسخہ تھا؟ نظامی کے مرتب کیے ہوئے نسخۂ زہرِ عشق کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ اِس مثنوی کی کسی عام اور غیر معتبر اشاعت پر مبنی ہے۔ اِس میں اِلحاقی اشعار بھی ہیں۔ اِن اشعار کی تفصیل اِسی مقدمے میں "اشعار میں کمی بیشی" کے عنوان کے تحت پیش کی گئی ہے۔ اِن میں آخرِ مثنوی کا یہ شعر بھی ہے:

عشق میں ہم نے یہ کمائی کی　　دل دیا، غم سے آشنائی کی

یہ شعر مصحفی کے ایک شاگرد مہدی علی خاں مہدی کا ہے۔ اگر مثنوی زہرِ عشق کے کسی خطی نسخے میں نظامی کو یہ قطعۂ تاریخ ملا ہوتا تو وہ خطی نسخہ بعد کے عام بازاری نسخوں سے یقیناً مختلف ہوتا اور نسخۂ نظامی کا متن بھی اُسی پر مبنی ہوتا۔ ذاکر کی نظامی سے قرابت داری تھی، ملاقات بھی ہوتی رہتی تھی؛ کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ خود ذاکر نے نظامی کو یہ ساری تفصیل بتائی تھی؟ غرض موجودہ مواد کی روشنی میں نظامی کے اِس بیان کے متعلق میرے لیے کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ یہ قطعہ نظامی کو کہاں ملا تھا؟ یہ سوال تشنۂ جواب رہتا ہے۔ موجودہ صورت میں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اِس قطعے سے متعلق جو تفصیل نظامی نے لکھی ہے، وہ اُن کو کہاں سے معلوم ہوئی۔ قطعہ تو کسی خطی نسخے میں نظر پڑا تھا، اُس سے متعلق تفصیل کہاں ملی؟ کیا یہ ذاکر کا بیان ہے؟ نظامی نے اِس سے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ ذاکر کے سوا یہ تفصیل اور کسے معلوم ہوگی؟ بہ ظاہر حالات کسی کو بھی نہیں اور اِس صورت میں ذاکر ہی کو راوی ماننا ہوگا۔

ایک یہ خیال ذہنوں میں آ سکتا ہے کہ نظامی نے خود یہ قطعہ کہہ کر شاملِ مقدمۂ مثنوی کر دیا اور اِسے منسوب کر دیا ذاکر سے، جو لکھنؤ میں رہے تھے اور حسبِ قولِ نظامی وہ شوق سے "رابطۂ اتحاد رکھتے تھے"۔ لیکن مجھے اِس کے ماننے میں بہت تامل ہے۔ نظامی کی زندگی کی اکثر تفصیلات ہمارے سامنے ہیں۔ اُنھوں نے ایک دو نہیں، بہت سی ادبی کتابوں کو شائع کیا اور خاص اہتمام کے ساتھ اور کہیں بھی اُن سے متعلق ایسی کوئی روایت نہیں ملتی، نہ کوئی ایسی مثال ملتی ہے۔

ذاکر کا قطعۂ تاریخ کہنا اور اُس قطعے کا شاملِ مثنوی نہ ہونا اور بعد کو اُس کا کسی یادداشت وغیرہ میں نظامی کو مل جانا؛ اِن میں سے کوئی بات ناممکن الوقوع نہیں؛ لیکن

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:08
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کسی بات کے ممکن ہونے اور اُس کے واقع ہونے میں جو فرق ہے، اُسے ضرور پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ اِس صورت میں قطعیت کے ساتھ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

یہاں ایک یہ بات بھی ہمارے سامنے رہنا چاہیے کہ شوق کی کسی مثنوی میں کوئی قطعۂ تاریخ شامل نہیں۔ اِس صورت میں مجھے یہ بات قریبُ الوقوع نہیں معلوم ہوتی کہ شوق نے ذاکر سے، جن کی اُس وقت کوئی شاعرانہ حیثیت نہیں تھی [اور اُس کے بعد بھی نہیں تھی] اِس مثنوی کے لیے قطعۂ تاریخ کی فرمایش کی ہو۔ اِس امکان سے میں انکار نہیں کرتا کہ ذاکر نے از خود قطعۂ تاریخ کہا ہو اور اُسے اپنی یادداشت کے طور پر کہیں لکھ لیا ہو۔ اور وہ نوشتہ نظامی کے سامنے آیا ہو اور تفصیل خود ذاکر نے بیان کی ہو۔

اِس قطعے سے زہرِ عشق کا جو سالِ تصنیف نکلتا ہے [۱۲۷۷ھ] اُسے شاہ عبدالسلام، گیان چند جین، عشرت رحمانی اور عطاء اللہ پالوی نے تسلیم کیا ہے۔ انتخابِ زریں میں راس مسعود نے بھی یہی سنہ لکھا ہے، صرف ڈاکٹر حیدر نے اِس کو ناقابلِ اعتبار بتایا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ حیدر صاحب نے اِس کے ناقابلِ قبول ہونے کی جو "دلیلیں" لکھی ہیں، وہ محض قیاسات ہیں۔ اُنھوں نے لکھا ہے:

> "غمِ دل ربا کی جو روایت ہے، وہ کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ یہ پوری روایت گڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کئی مستند تذکرہ نگاروں نے اِس کا ذکر نہیں ہے۔ عشرت رحمانی نے ایک قلمی نسخے کا ضرور حوالہ دیا، لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ نسخہ اُن کو کہاں سے حاصل ہوا۔
>
> ذاکر بدایونی کے جو اشعار ہیں، اُن کا معیار بھی از خود ظاہر ہے۔ اِس کے علاوہ "غمِ دل ربا" اور "شہیدِ محبت ہے جنت کو آئی" کے اعداد میں مطابقت نہیں ہے اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اِن دونوں میں سے تاریخ کس سے برآمد کی گئی، اور "سرِ جان و دل کھو کے بولا" میں ج اور د کے اعداد کم ہوں گے یا جوڑے جائیں گے۔ لفظ "کھو" سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کم ہوں گے، مگر عشرت صاحب نے ۱۲۷۷ھ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:08
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

میں ، جوڑ کر لکھے ہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ "جان" کا سر یعنی ج کے عدد اور "دل" کے پورے کے پورے عدد لیے جائیں۔ بہر حال، نہ عشرت صاحب نے کوئی صراحت اِس سلسلے میں کی اور نہ اِن اشعار سے صحیح صورتِ حال سامنے آسکی اور یہ معاملہ غیر واضح ہونے کے سبب گنجلک ہو گیا۔

اِس کے علاوہ شوق کا قطعۂ تاریخ کے لیے فرمایش کرنا اور اُس کو شاملِ اشاعت نہ کیا جانا کچھ عجیب معمّا ہے" [حیاتِ شوق، ص ۲۷۸]۔

حیدر صاحب کی پہلی بات تو درست ہے؛ مگر عشرت رحمانی بتاتے بھی کیا؛ اُنھوں نے تو نظامی بدایونی کی عبارت کو اور اُن کی "دریافت" کو اپنا بنا کے پیش کیا ہے۔ زہرِ عشق کا نظامی اڈیشن اگر حیدر صاحب کے سامنے ہوتا تو یہ بات خود بہ خود واضح ہو جاتی۔

اب رہی اعدادِ تاریخ کی بات، تو یہاں مقالہ نگار نے خاصی بے پروائی سے کام لیا ہے، بلکہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ نگاری سے کم آشنائی کا اظہار کیا ہے۔ "سرِ جان و دل کھو کے بولا" میں "جان" اور "دل" کے حروفِ اوّل [ج ۔ د] کا تخرجہ ہے۔ یہ تو نہایت معمولی اور سامنے کی بات ہے، اِس میں تو کسی طرح کی اُلجھن ہونا ہی نہیں چاہیے تھی۔ بہر طور، اعدادِ تاریخ کے بارے میں اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ یکسر ناقابلِ اعتنا ہے۔

اِسی طرح یہ بھی ناممکن نہیں کہ کسی فرمایشی قطعے کو شاملِ کتاب نہ کیا جائے۔ قطعہ واقعتاً کم زور ہے۔ شوق اور ذاکر کی عمر کے فرق کو اگر نظر میں رکھا جائے تو اِس کو بہ خوبی ممکن کہا جا سکتا ہے کہ ایک بزرگ اپنے نُرد کی تاریخ کو رکھ تو لے مگر شاملِ کتاب نہ کرے۔ اِس میں ناممکن والی کوئی بات نہیں۔ [اِس میں ضرور مجھے شک ہے کہ شوق نے قطعۂ تاریخ کی فرمایش کی ہو]۔

جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں، نظامی کے پیش کیے ہوئے زیرِ بحث قطعۂ تاریخ کو ماننے کے لیے تحقیق کے نقطۂ نظر سے جس وضاحت اور ثبوت کی ضرورت ہے، وہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:08
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

موجود نہیں ؛ البتہ ۱۲۷۷ھ کو ممکن تاریخِ تصنیف مان لینے کے لیے ایک قرینہ ضرور موجود ہے۔ اب تک کی معلومات کے مطابق اِس مثنوی کا قدیم ترین اڈیشن وہ ہے جو مطبعِ شعلۂ طور کانپور سے جنوری ۱۸۶۲ء میں شائع ہوا تھا۔ قطعۂ تاریخ کا سنہ ۱۲۷۷ھ مشتمل ہے ۱۸۶۰-۱۸۶۱ء پر۔ ۱۲۷۷ھ کو اگر سالِ تصنیف مان لیا جائے یا فرض کر لیا جائے، تو سنہِ تصنیف اور سنہِ اشاعت میں بہت کم وقفہ رہتا ہے۔ یہ بہ خوبی ممکن ہے کہ یہ مثنوی ۱۸۶۱ء کے وسط میں لکھی گئی اور ۱۸۶۲ء کے آغاز میں چھپ کر سامنے آ گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ محض قیاس ہے، اِسے واقعے کا درجہ نہیں دیا جا سکتا ؛ مگر بہ ظاہر یہ قرینہ ناقابلِ قبول نہیں معلوم ہوتا۔ حیدر صاحب نے جو اِس سنہِ تصنیف سے انکار کیا ہے، تو اُن کے انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ اُنھوں نے یہ مفروضہ پیش کیا ہے کہ شوق کی تینوں مثنویاں عہدِ نصیر الدین میں لکھی گئی تھیں۔ اِس مفروضے کے بعد وہ مجبور تھے کہ بہ ہر صورت ۱۲۷۷ھ کو ناقابلِ قبول قرار دیں۔ چوں کہ اُن کا وہ مفروضہ بجائے خود بے اصل ہے، اِس لیے اُن کا یہ انکار بھی قابلِ توجہ نہیں رہتا۔ اِس کی تفصیل درجِ ذیل ہے۔

ڈاکٹر حیدر نے اپنے تحقیقی مقالے میں شوق کی تینوں مثنوں کے زمانۂ تصنیف کے متعلق سب سے مختلف رائے ظاہر کی ہے اور نئی بات کہی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ شوق کی سبھی مثنویاں عہدِ نصیر الدین حیدر میں لکھی گئی ہیں :

"عبد الحلیم شرر کے بیانات کو وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے..... شاہی خاندان سے جو اُن کا ربط تھا، وہ سب کو معلوم ہے۔ اُنھوں نے ایک مقام پر لکھا ہے : " واجد علی شاہ نے بھی اِن مثنویوں یعنی نواب مرزا شوق کی مثنویوں کو دیکھا اور چوں کہ ماشاء اللہ خود شاعر تھے، اُس رنگ کو اختیار کر کے اپنے بہت سے عشقوں اور عنفوانِ شباب کی صدہا رندانہ بے اعتدالیوں کو خود ہی موزوں کر کے ملک میں پھیلا دیا اور اخلاقی دُنیا میں اقراری مجرم بن گئے۔"

[گذشتہ لکھنؤ]

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:08
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

واجد علی شاہ کے دادا محمد علی شاہ نے ۱۸۳۷ء سے ۱۸۴۲ء تک حکومت کی اور اُسی زمانے میں واجد علی شاہ نے یہ مثنویاں شوق کی مثنویوں کو دیکھ کر تصنیف کی تھیں۔ ظاہر ہے کہ شرر نے یہ بات رواداری [رواروی؟] میں نہیں لکھی ہے جو نہ مانی جائے۔ ہم جب جگہ جگہ پر اُن کے دوسرے اقتباسات بطورِ ثبوت پیش کرتے ہیں، تو اِس بیان کو نظر انداز کیسے کر سکتے ہیں؟ لہٰذا ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ شوق کی سبھی مثنویاں محمد علی شاہ کے زمانۂ حکومت سے قبل کی ہیں، یعنی نصیر الدین حیدر کے دور میں لکھی گئی ہیں۔"

[حیاتِ شوق، ص ۲۷۹۔۲۸۱]

اِسی سلسلے میں اُنھوں نے دو باتیں اور لکھی ہیں جن کو بہ مظاہر دلیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ نصیر الدین حیدر کے متعلق لکھتے ہیں:

"اودھ کے تمام نوّاب وزیر یا بادشاہوں میں یہی ایک ایسے فرماں روا تھے جو سب سے زیادہ رنگین مزاج واقع ہوئے تھے۔ اُنھیں کے دور میں جنسی بے راہ روی کو بے حد عروج حاصل ہوا۔ خود بادشاہ عورتوں کی پوشاک کی طرح بدلتے تھے [کذا] اور اُن کو ہر وقت عورتوں میں رہنا زیادہ پسند تھا۔ نوّاب مرزا شوق کی مثنویوں کے لیے یہ آب و ہوا نہایت اچھی تھی" [ایضاً، ص ۲۸۴]۔

اُن کا دوسرا "استدلال" یہ ہے:

"زمانۂ تصنیف کے سلسلے میں سب سے آخری بات یہ کہنا ہے کہ شوق کی مثنویات کا ذکر سعادت خاں ناصر نے خوش معرکۂ زیبا میں کیا ہے.... خوش معرکۂ زیبا کے قدیم کئی نسخے ہیں۔ شوق کا ذکر نسخۂ پٹنہ کے حاشیے پر ملتا ہے۔

سعادت خاں ناصر نے خوش معرکۂ زیبا شروع سال ۱۲۶۱ھ میں لکھنا شروع کیا اور آخر سال ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء میں اِس کو اختتام تک پہنچایا۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:08
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

پٹنے کا نسخہ مصنف کی اصل تالیف کے ایک سال بعد ۱۲۶۳ھ میں تیار کیا گیا۔ اِس نسخے کے حاشیوں پر جو اضافے کیے گئے، اُن کی بابت ڈاکٹر شمیم اُنھونوی نے لکھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہ اضافے خود مصنف نے کیے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے مصنف نے اِس کی تیاری کے بعد کچھ باتیں جو رہ گئی تھیں، اُن کا اضافہ کر دیا..... اِس لیے اِس کی تیاری اور اضافے کے درمیان کوئی زیادہ وقفہ حائل نہیں ہوا۔ پھر بھی ممکن ہے دو چار سال گزر گئے ہوں۔ ہم اِس اضافہ کرنے کے وقفے کو کچھ اور بڑھائے دیتے ہیں۔ اب اگر اِس کو آٹھ سال بھی مان لیں، یعنی ۱۸۵۴ء تک، تو بھی اِس میں فریبِ عشق اور بہارِ عشق کا ذکر تو خیر ہو سکتا تھا، لیکن زہرِ عشق کا تو کسی حالت میں نہیں ہونا چاہیے تھا، اِس لیے کہ اِس کا زمانۂ تصنیف بہ قولِ عطاء اللہ پالوی کے ۱۸۵۵ء اور ۱۸۶۲ء کے درمیان ہے۔ غرض اِنھی سب باتوں کی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ شوق کی سبھی مثنویاں عہدِ نصیر الدین حیدر میں ۱۸۳۰ء اور ۱۸۳۷ء کے درمیان لکھی گئیں اور بہت عرصے بعد چھپ کر منظرِ عام پر آئیں" [ایضاً، ص ۲۹۱]۔

اِن میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں جو دلیل کی حیثیت رکھتی ہو اور جس کی بُنیاد پر کوئی نتیجہ نکالا جا سکے۔ پہلے قول کو لیجیے شرر کا شاہی خاندان سے یہ رابطہ تھا کہ اُنھوں نے واجد علی شاہ کا آخری زمانہ دیکھا تھا شرر کے والد شیخ تفضل حسین شاہی دفترِ انشا میں ملازم تھے۔ جب واجد علی شاہ کلکتے بھیج دیے گئے تو یہ بھی اُن کے ساتھ گئے۔ شرر کا لڑکپن مٹیا برج میں گزرا۔ پندرہ سال کی عمر میں منشی السلطان کی ماتحتی میں ملازم ہو گئے۔ [یہ تفصیلات مولانا عبدالرزاق کان پوری کی کتاب یادِ ایام سے ماخوذ ہیں]۔ شاہی خاندان سے اُن کا کوئی "ربط" نہیں تھا۔ شرر نے ایک سرسری بات لکھی ہے، کوئی تحقیقی بیان نہیں دیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی مصنف کے سارے بیانات کو محض اِس بنا پر تسلیم کر لیا جائے کہ اُس کے کچھ بیانات کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ تحقیق کے نقطۂ نظر سے ایسا ہر بیان بجائے خود تصدیق طلب

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:09
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

وتا ہے۔ مختلف کتابوں میں اِس طرح کے بہت سے بیانات ملتے ہیں؛ جب کسی امر کے متعلق تحقیقی گفتگو کی جاتی ہے، تو یہ لازم ہوتا ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ اُس بحث میں اس قول کی حیثیت کیا ہے۔

مثلاً شرر کے اِسی بیان کو لیجیے۔ حیدر صاحب نے شرر کی جو زیرِ بحث عبارت نقل ہے، اُس سے متعلق ایک حصہ اور بھی ہے جسے اُنھوں نے نقل نہیں کیا۔ وہ عبارت ہے:

"نواب مرزا شوق نے بہارِ عشق، زہرِ عشق، فریبِ عشق لکھیں....
اِس سے پیش تر کے زمانے میں کسی صاحب نے مثنوی میر حسن کے جواب میں لذتِ عشق نام کی ایک مثنوی لکھی تھی۔ وہ نواب مرزا شوق کی مثنویوں کے ساتھ شائع ہونے کی وجہ سے اُنھیں کی جانب منسوب ہو گئی لیکن حقیقت میں نہ وہ اُن کی ہے اور نہ اُن کے زمانے کی ہے۔"

[گذشتہ لکھنؤ، مکتبہ جامعہ اڈیشن، ص ۱۳۲]

تو کیا شرر کے اِس بیان کی بنیاد پر یہ مان لیا جائے گا کہ ① لذتِ عشق، شوق کے زمانے کی تصنیف نہیں؟ اور ② شرر کے الفاظ "کسی صاحب نے" سے یہ مان لیا جائے گا کہ لذتِ عشق کا مصنف نامعلوم ہے؟ اور ③ کیا اِن بیانات کی بنا پر شرر کے باقی بیانات کو بھی اِنھی کی طرح ناقص اور مشکوک مان لیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ اِس طرح کا کوئی اجتماعی جرمانہ، جیسا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ہر بیان کو اُس کے سیاق و سباق میں رکھ کر اُس کی حیثیت کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا۔

بہارِ عشق میں واجد علی شاہ کا نام بادشاہِ وقت کی حیثیت سے ایک جگہ آغاز میں مدحیہ اشعار میں اور ایک جگہ قصے کے درمیان آیا ہے؛ اِس کے پیشِ نظر شرر کے اِس قول کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ یوں کہ واجد علی شاہ کی مثنویاں، جن کا حوالہ حیدر صاحب نے دیا ہے، اُن کے قول کے مطابق زمانۂ تخت نشینی سے پہلے کی ہیں۔ اِس مشکل کا اُنھوں نے یہ حل نکالا ہے کہ واجد علی شاہ کی مدح کے سب اشعار، اور اُس مقام کے تین اشعار

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:09
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

جہاں دوسری بار حکم رانِ وقت کی حیثیت سے اُن کا نام آیا ہے، یہ سب اشعار بعد کو بڑھائے گئے ہیں۔ یہ دعوائے بے دلیل کسی طور پر بھی تسلیم کیے جانے کے قابل نہیں۔ ایسی بے اصل قیاس آرائی کے ساتھ آدمی جو دعوا چاہے، کر سکتا ہے؛ مگر اُس کا قابلِ قبول ہونا دوسری بات ہے۔ ایسی خیال آرائیاں تحقیق کے نقطۂ نظر سے قابلِ قبول نہیں ہوتیں۔

حیدر صاحب کی دوسری "دلیل" کہ عہدِ نصیر الدین حیدر میں جنسی بے راہ روی زیادہ تھی، یہ بھی قیاسِ محض ہے اور بے اصل۔ نصیر الدین حیدر سے پہلے کے زمانے سے لے کر واجد علی شاہ کے آخرِ عہد تک عیش پرستی اور جنسی بے راہ روی کی طاقتور لہریں رواں دواں رہی ہیں۔ سماجی حالات نہ اچانک بنا کرتے ہیں اور نہ اچانک بدلا کرتے ہیں۔ شرر کو حیدر صاحب معتبر راوی مانتے ہیں، شرر کے الفاظ ہیں "نصیر الدین حیدر میں، عورتوں میں رہتے رہتے اِس درجہ زنانہ مزاجی پیدا ہو گئی تھی کہ عورتوں کی سی باتیں کرتے اور عورتوں ہی کا سا لباس پہنتے۔" ایسے "ادھورے شخص" اور زنانہ مزاج فرد کا بھلا واجد علی شاہ سے کیا مقابلہ جو اِس لحاظ سے "پورے مرد" تھے۔

اور بالفرض ذرا سی دیر کے لیے اُن کی بات کو مان بھی لیا جائے، تو فریبِ عشق اور بہارِ عشق کو اِس حساب سے عہدِ نصیر الدین حیدر کی جنسی بے راہ روی کے خاص دور کی تصنیفیں ہو سکتی ہیں؛ لیکن زہرِ عشق کے لیے کیا کہا جائے گا؟ کیا یہ مثنوی بھی، پہلی دو مثنویوں کی طرح اپنے عہد کی جنسی بے راہ روی کی عکاس ہے؟ ظاہر ہے کہ اِس بات کو کوئی بھی نہیں مان سکتا۔ بہارِ عشق اور زہرِ عشق کی فضا میں اندھیرے اُجالے کا فرق ہے۔ مفروضوں کی مشکل یہ ہوتی ہے کہ ایک تو وہ بہت دور تک ساتھ نہیں دے پاتے اور دوسرے یہ کہ ایک مفروضے کو برحق ثابت کرنے کے پھیر میں کئی اور مفروضے تراشنا پڑتے ہیں اور حیدر صاحب کو یہی کرنا پڑا ہے۔

اُن کی تیسری "دلیل" تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا کے حواشی سے تعلق رکھتی ہے اور یہ "دلیل" بھی بے اصل قیاس کا دوسرا نام ہے۔ "ایسا ہوا ہو گا"، "فلاں وقت لکھے گئے ہوں گے" ایسے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:09
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کلمات کے تحت جو اندراجات ہوتے ہیں، اُن کا لکھنا تو بہت آسان ہوتا ہے، لیکن اُن کو ثبوت کا درجہ دینا آسان نہیں ہوتا۔

اِس تذکرے کے ایک مرتب شمیم انھونوی کی رائے اُنھوں نے نقل کی ہے کہ نسخۂ پٹنہ کے حواشی مصنفِ تذکرہ کے قلم سے ہیں۔ یہی رائے اِس تذکرے کے دوسرے مرتب مشفق خواجہ کی ہے۔ خواجہ صاحب نے مفصّل بحث کے بعد لکھا ہے: "بہر حال یہ طے ہے کہ نسخۂ پٹنہ کا کوئی حاشیہ ۱۲۸۶ھ کے بعد کا نہیں ہو سکتا" [خوش معرکۂ زیبا، مرتبۂ مشفق خواجہ، ص ۸۴]۔ یا تو یہ ثابت کیا جائے کہ شوق کا احوال حیدر صاحب کے مفروضہ سنہ ۱۸۵۴ء تک لکھا جا چکا تھا۔ اگر یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا [اور یہ واقعہ ہے کہ ثابت نہیں کیا جا سکتا] اِس صورت میں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اضافے ۱۸۵۴ء تک کے تو ہو سکتے ہیں، اِس سنہ کے بعد کے نہیں ہو سکتے۔ اِن اضافوں کے لیے، جیسا کہ مشفق خواجہ نے مفصّل بحث کے بعد لکھا ہے [اور صحیح طور پر لکھا ہے کہ] ۱۲۸۶ھ [۷۰-۱۸۶۹ء] تک کی حد مقرر کی جا سکتی ہے۔ اِس کے بعد کوئی اضافہ بہ خطِ مصنف نہیں ہو سکتا تھا۔ اِس طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شوق کی دو مثنویوں [فریبِ عشق اور بہارِ عشق] کے نام حاشیے میں ۱۸۵۴ء ہی تک لکھے جا سکتے تھے۔ اُن کا یہ قول قطعی طور پر قابلِ قبول نہیں، یوں کہ اِس کی کچھ بنیاد نہیں، کوئی ثبوت نہیں، کوئی قرینہ بھی نہیں۔ چوں کہ مقالہ نگار نے پہلے ایک رائے قائم کر لی اور ایک بے اصل قیاس کو واقعے کا مرادف فرض کر لیا، اِس لیے وہ مجبور ہوئے ہیں کہ ایسے سارے مقامات پر ایسی ہی قیاس آرائی سے کام لیں۔ اِس سلسلے کی اُن کی پوری بحث مفروضات کا مجموعہ ہے۔

خوش معرکۂ زیبا نسخۂ پٹنہ کے حاشیے پر شوق کا حال کب لکھا گیا، اِس موضوع پر عطاء اللہ پالوی نے بھی گفتگو کی ہے۔ پالوی صاحب [حیدر صاحب کے برخلاف] یہ مانتے ہیں کہ بہارِ عشق عہدِ واجد علی شاہ میں لکھی گئی ہے اور فریبِ عشق اُس سے پہلے کی تصنیف ہے اور زہرِ عشق ۱۲۷۷ھ کی تصنیف ہے؛ مگر اُن کا بھی یہی خیال ہے کہ اِس تذکرے میں شوق سے متعلق عبارت مصنفِ تذکرہ کے بجائے کسی اور کی لکھی ہوئی ہے، وہ لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

"اِس تذکرے کے دیکھنے سے ہی صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ تذکرے کی تالیف کے بہت زمانے بعد، بلکہ مؤلف کی وفات کے چند سال بعد شوقؔ لکھنوی کا ذکر اُس میں شامل کیا گیا ہے اور جس نے یہ اضافہ کیا ہے، وہ نہ مؤلف کے اصولِ تالیف سے باخبر تھا اور نہ قرارواقعی ادبی دانست و واقفیت رکھتا تھا۔ وہ نہ پوری طرح شوقؔ سے واقفیت رکھتا تھا اور نہ شوقؔ سے اُس کے تعلقات اچھے تھے۔"

اُنھوں نے اِس کے کئی "وجوہ" لکھنے کے بعد خاتمۂ کلام کے طور پر لکھا ہے:

"بہ ہر حال اِن وجوہ کی بنا پر میرا خیال ہے کہ خود مؤلفِ تذکرہ نے شوقؔ کی رذالت و بدنامی اور اپنی ثقاہت و خوش نامی کے پیشِ نظر شوقؔ کے تذکرے سے قصداً اور قطعاً گریز کیا تھا۔ جب ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء میں ناصرؔ صاحب کا انتقال ہو گیا تو وہ تذکرہ ناصرؔ صاحب کے کسی ایسے عزیز، شاگرد یا ارادت مند کے ہاتھ لگا جو شوقؔ کی غیر معمولی شہرت کی بنا پر حد درجہ اُس کا مخالف تھا، اور جب ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں، جب کہ شوقؔ زندہ تھے، نول کشور پریس نے مثنویاتِ شوقؔ کو ...... شائع کیا تو موصوف کو اُس کی خبر ہوئی ..... لہٰذا اُن صاحب نے حاشیے پر شوقؔ کا ذکر چڑھا کے اپنے دل کو جھوٹی تسلی دے لی۔" [ایضاً، ص ۱۰۶ – ۱۱۰]۔

پالوی صاحب نے اِس پر غور نہیں کیا کہ نسخۂ پٹنہ کے حاشیے پر متعدد مقامات پر اندراج ہیں۔ ۹ شاعروں کے تراجم حواشی میں اضافہ کیے گئے ہیں اور کہیں متن کی عبارتوں میں اضافہ کیا گیا ہے [مشفق خواجہ، مقدمۂ تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا، ص ۸۲]۔ صرف شوقؔ کا حال حاشیے پر نہیں، کئی شاعروں کے تراجم حاشیوں پر ہیں۔ تو کیا اِن حضرات سے متعلق عبارتیں بھی دوسروں کی لکھی ہوئی ہیں؟ بہ ادنا تامل معلوم کیا جا سکتا ہے کہ پالوی صاحب کا قیاس محض مفروضہ ہے، حقیقت سے اُس کا کچھ تعلق نہیں۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:09
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اِس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ① مثنوی فریبِ عشق کا سنہ تصنیف معلوم نہیں ۔ زمانۂ تصنیف بھی حتمی طور پر معلوم نہیں ۔ زبان اور بیان کے ہلکے پن کے لحاظ سے بعض اہلِ قلم اور اہلِ نظر نے یہ کہا ہے کہ یہ مثنوی شوقؔ کی ابتدائی [یعنی پہلی] تصنیف ہے۔ اگر اِس بات کو مان لیا جائے [اور بہ ظاہر اِس کو تسلیم کرنے میں کوئی بات مانع نہیں معلوم ہوتی] تو اُس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مثنوی بہارِ عشق سے پہلے لکھی گئی تھی۔ کتنی پہلے؛ اِس کا قطعیت کے ساتھ تعین فی الوقت نہیں کیا جا سکتا۔

② بہارِ عشق میں واجد علی شاہ کی مدح بہ حیثیتِ شاہِ وقت موجود ہے۔ اِس کی بنیاد پر اعتماد کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مثنوی اُن کے دورِ حکومت میں لکھی گئی۔ اِس کا پہلا اڈیشن ۱۲۶۶ھ کا موجود ہے ، اِس بنا پر یہ کہا جائے گا کہ یہ صفر ۱۲۶۳ھ کے بعد اور شوال ۱۲۶۶ھ سے پہلے لکھی گئی تھی۔

③ زہرِ عشق میں ایسی کوئی صراحت نہیں جس کی مدد سے اِس کے سنہ تصنیف یا زمانۂ تصنیف کا تعین کیا جا سکے۔ اِس کا قدیم ترین مطبوعہ نسخہ جنوری ۱۸۶۲ء کا ملتا ہے۔ اِس سے پہلے کے کسی مطبوعہ نسخے سے ہم واقف نہیں۔ نظامیؔ بدایونی کے پیش کیے ہوئے قطعۂ تاریخ سے اِس کا سنہ تصنیف ۱۲۷۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ قطعی طور پر تو صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مثنوی جنوری ۱۸۶۲ء سے پہلے لکھی جا چکی تھی اور قیاساً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے اِس کا سالِ تصنیف ۱۲۷۷ھ [۱۸۶۰ء۔۶۱] ہو۔

منعِ اشاعت

شوقؔ کی تینوں مثنویوں [فریبِ عشق ، بہارِ عشق ، زہرِ عشق] پر یا اِن میں سے کسی ایک پر حکومت نے کبھی پابندی لگائی تھی؟

اِس سوال کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔ مشہور یہی ہے کہ پابندی لگی تھی ؛ لیکن تحقیق کی نظر میں شہرت، صداقت کی مرادف نہیں ہوتی۔ اِسی طرح مجہول الاحوال راویوں سے منسوب روایتوں پر، خیال آرائی اور محض قیاس پر مبنی کسی دعوے کو بہ طورِ واقعہ قابلِ قبول نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اِس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی نظر میں رہنا چاہیے کہ کسی بات کا ممکن ہونا اور اُس کا

64
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:09
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

لیکن امکان کو واقعے کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ امکان اور واقعہ، یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔

میرے علم کی حد تک اِس سلسلے کی قدیم ترین مگر ناتمام اور مبہم سی یادداشت گارساں دتاسی کے ایک مقالے [۱۸۷۴ء] میں ملتی ہے، جس میں فحاشی کے تحت محض ضمنی طور پر بہارِ عشق اور زہرِ عشق کا نام آ گیا ہے۔ اِس پر ذرا آگے چل کر گفتگو کی جائے گی۔ قدیم ترین حوالہ، جس میں واضح طور پر پابندی کا ذکر ہے، میرے علم کی حد تک مقدمۂ شعر و شاعری میں ملتا ہے۔ مولانا حالی نے اِس کتاب کے آخر میں، جہاں مثنویوں پر رائے ظاہر کی ہے، مثنویاتِ شوق کے متعلق لکھا ہے:

"اِن مثنویوں میں اکثر مقامات اِس قدر اِمِ مُورل اور خلافِ تہذیب ہیں کہ ایک مدت سے اِن تمام مثنویوں کا چھپنا حکماً بند کر دیا گیا ہے۔"

"اِس قدر اِمِ مُورل اور خلافِ تہذیب ہیں" سے نمایاں طور پر یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ پابندی قانونِ انسدادِ فحشیات کے تحت لگائی گئی ہوگی۔ [مقدمۂ شعر و شاعری مع دیوانِ حالی پہلی بار ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا تھا] مولانا عبدالسلام ندوی نے بھی شعر الہند میں یہی بات لکھی ہے [یا یوں کہیے کہ مولانا حالی کے قول کو دُہرایا ہے]:

"شوق کی مثنویاں اگرچہ اِس قدر غیر مہذب ہیں کہ ایک مدت سے اُن کا چھپنا قانوناً بند کر دیا گیا ہے [شعر الہند، جلد دوم، طبع چہارم[1]، ص ۱۹۶]۔

اِس عبارت سے بھی واضح طور پر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ غیر مہذب [یعنی فحش] ہونے کی بنا پر شوق کی مثنویوں کا چھپنا حکماً بند کر دیا گیا تھا۔ معروف تذکرے خم خانۂ جاوید کی پانچویں جلد ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی تھی، اُس کے مرتب تھے پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی؛ شوق کی مثنویوں کے متعلق اُس میں یہ عبارت ملتی ہے:

"یہ مختصر مثنویاں گویا اُس زمانے کی رندیت اور عیاشانہ زندگی..... کا دفتر ہیں۔ مدت تک اِن مثنویوں کی نشر و اشاعت حکماً بند رہی۔

---

[1] جناب ضیاء الدین اصلاحی [دار المصنفین اعظم گڑھ] نے مطلع کیا ہے کہ شعر الہند کا پہلا حصہ پہلی بار ۱۹۲۵ء میں اور دوسرا حصہ ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا تھا۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:10
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

اب یہ قید اٹھادی گئی ہے" [ص ۱۰۳]۔

حوالے تو اور بھی پیش کیے جاسکتے ہیں ؛ لیکن میرا خیال ہے کہ اظہارِ مدعا کے لیے یہ تین اقتباس ہی کافی ہوں گے۔ مولانا حالؔی نے اپنے ماخذ کی اطلاع دینا ضروری نہیں سمجھا، معلوم نہیں کیوں۔ شاید یہ خیال کیا ہو کہ یہ بات اِس قدر مشہور ہے کہ گویا مسلّمات کے درجے میں آتی ہے ؛ اِس کے لیے ماخذ کا حوالہ کیا دیا جائے اور تصدیق کو کیوں ضروری سمجھا جائے۔ بعد والوں نے بھی یہی سوچا ہوگا۔ اگر اِن تینوں اہم اقتباسات کے الفاظ پر نظر رکھی جائے تو بہ آسانی یہ خیال ذہن میں پیدا ہوسکتا ہے کہ آخری دونوں اقتباسات مولانا حالؔی کی تحریر کی صدائے بازگشت ہیں۔ حوالہ دینے کی ضرورت راویِ اوّل نے نہیں سمجھی تھی تو یہ لوگ کیوں اُسے ضروری سمجھتے۔

اِس طرح دو باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ۱۸۹۳ء سے ۱۹۴۰ء تک متعدد مقتدر اربابِ قلم یہ لکھتے رہے ہیں کہ شوؔق کی سب مثنویاں ممنوع الاشاعت تھیں۔ دوسری بات یہ کہ اِس کی وجہ تھی اُن مثنویوں کا غیر مہذب اور اِم مورل ہونا۔

سر سیّد رضا علی کی کتاب اعمال نامہ خودنوشت سوانح عمریوں میں قابلِ ذکر کہی جاتی ہے [اشاعتِ اوّل دسمبر ۱۹۴۳ء]۔ سیّد صاحب نے اِس کے بارھویں باب میں شوؔق کی مثنویوں کا بھی کچھ ذکر کیا ہے۔ اُن کی تحریر میں ایک بات ایسی ہے جو اِس بحث میں ہمارے کام کی ہے۔ متعلقہ عبارت نقل کی جاتی ہے :

"مولانا حالؔی نے زہرِ عشق کو تو پسند فرمایا، مگر بہارِ عشق اور فریبِ عشق کی عریانی سے اِس درجہ متاثر ہوئے کہ شوؔق کے روزمرہ، بے ساختگی، شیریں بیانی اور معاملہ بندی کو علی گڑھ کی اصلاحی پاک دامنی کی قربان گاہ پر ذبح کر ڈالا...... افسوس ہے کہ اصلاحی پاک دامنی کے جوش و خروش نے موصوف کو اتنا موقع نہ دیا کہ سحر البیان اور اور فریبِ عشق یا بہارِ عشق کے اشعار کا، جو ایک ہی مضمون پر ہیں،

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:10
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اسکاٹ نے اپنی ایک نظم میں ایک مفتی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مذہبی تقدس کے حکم برداروں نے اُس غریب کے بربط کو تخریبِ اخلاق قرار دیا تھا، یہی سلوک لکھنؤ کے تنگ خیال اور تنگ نظر گندم نما جوفروشوں نے شوق کی مثنویوں کے ساتھ کیا۔ انگریزی حکومت اودھ میں نئی نئی قائم ہوئی تھی، حکومت کے کان بھر کر اِن مثنویوں کی طباعت اور اشاعت بند کرادی؛ مگر ادبی جواہر ریزوں کا خواص ہیرے جیسا ہوتا ہے، ہیرے کو زمین میں دفن کر دیجیے اور دو سو برس بعد نکالیے، آب و تاب میں مطلق فرق نہ آئے گا۔ یہی حالت اِن مثنویوں کی ہے۔ عرصے سے یہ مثنویاں پھر چھپنے لگی ہیں اور یہ دونوں مثنویاں مع زہرِ عشق اور لذتِ عشق کے لکھنؤ کے کتب فروشوں کے یہاں ملتی ہیں۔

زہرِ عشق میں دنیا کی بے ثباتی اور انسان کا انجام جس موثر اور پُر درد طریقے سے بیان کیا گیا ہے، اُس کے لگ بھگ بھی کوئی مقام سحر البیان میں نہیں ہے۔"

مثنویاتِ شوق سے متعلق گفتگو یہاں ختم ہو جاتی ہے، اِس کے بعد دوسرا مبحث شروع ہوتا ہے۔ یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ اِس عبارت میں سید صاحب نے بہارِ عشق اور فریبِ عشق سے متعلق بحث کی ہے۔ زہرِ عشق کا تو ضمنی طور پر آخر میں ذرا سا ذکر آ گیا ہے اُن کو اصلاً مولانا حالی سے شکایت تھی کہ وہ فریبِ عشق اور بہارِ عشق کی عریانیت سے غیر ضروری طور پر متاثر ہوئے اور یوں اِن مثنوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکے۔ زہرِ عشق کے متعلق تو وہ شروع ہی میں یہ لکھ چکے ہیں کہ اِس کو تو مولانا حالی نے پسند فرمایا تھا۔ اِس طرح اُن کی ساری بحث فریبِ عشق اور بہارِ عشق سے متعلق رہ جاتی ہے۔

سید صاحب نے یہ نئی بات لکھی ہے کہ پابندی صرف دو مثنویوں فریبِ عشق اور بہارِ عشق پر لگی تھی، اور اِس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اِن دونوں مثنویوں کی حکومت سے شکایت کی تھی

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:10
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

ایسے لوگوں نے جو تنگ نظر اور تنگ خیال تھے۔ چوں کہ اودھ میں انگریزی حکومت نئی نئی قائم ہوئی تھی، اِس لیے حکومت نے اُن لوگوں کے کہنے پر اِن دونوں مثنویوں کی طباعت اور اشاعت پر پابندی لگادی۔

سیّد صاحب مقننہ اور عدلیہ، دونوں سے متعلق رہے تھے؛ اِس کے باوجود اُنھوں نے یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ اُنھیں یہ سب کچھ کہاں سے معلوم ہوا۔ ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم اُن کے اِس قول کی تصدیق کرسکیں۔ شاید یہ کہا جائے کہ سیّد صاحب نے اِسی طرح سُنا ہوگا، یا یہ کہ اُن کے زمانے میں یہ بات اِسی طرح مشہور ہوگی؛ تو کیا ہم یہ مان لیں کہ شہرت، صداقت کی مرادف ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اِسے نہیں مانا جاسکتا، اِس صورت میں سیّد صاحب کے اِس قول کو بھی تصدیق کے بغیر قابلِ تسلیم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ فریبِ عشق اور بہارِ عشق پر پابندی لگی تھی، اِس قول میں یعنی اِس تخصیص میں سیّد صاحب منفرد ہیں۔ شہرت دو باتوں کی رہی ہے۔ ایک تو یہ کہ سب مثنویاں ممنوعُ الاشاعت تھیں اور ایک یہ کہ پابندی زہرِ عشق پر لگی تھی۔ شہرت کی اِس کثیر الجہاتی صورت میں کسی بھی قول کو ثبوت کے بغیر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں ضمنی طور پر یہ بھی عرض کردوں کہ اُن کی عبارت کی آخری سطروں میں مثنوی لذّتِ عشق کا اِس طرح ذکر آیا ہے جیسے یہ مثنوی بھی شوق کی ہے؛ مگر اب یہ بات سب کو معلوم ہے کہ یہ مثنوی شوق کی نہیں، اُن کے بھانجے آغا حسن نظم لکھنوی کی ہے۔ مولانا حالی نے اور متعدد معروف اربابِ قلم نے لکھا ہے کہ شوق کی چار مثنویاں ہیں: فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق، لذّتِ عشق۔ سیّد صاحب نے بھی یہی لکھا۔ جس طرح اُن کا یہ قول محض اِس بنا پر کہ یہ بات اُن کے زمانے میں اِسی طرح مشہور تھی، قطعی طور پر قابلِ قبول نہیں؛ اِسی طرح اُن کا وہ قول کہ اودھ کی حکومت نے فریبِ عشق اور بہارِ عشق پر پابندی لگائی تھی، اُس وقت تک قابلِ قبول نہیں مانا جائے گا جب تک اُس کا ثبوت نہ ملے اور اب تک ایسا کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے۔

سیّد صاحب نے شوق کی دو مثنویوں کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ لکھنؤ کے تنگ خیال

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:10
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

تنگ نظر لوگوں نے حکومت کے کان بھر کر اِن مثنویوں پر پابندی لگوادی؛ اِس سلسلے میں ایک خیال میرے ذہن میں آتا ہے۔ میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا، کیوں کہ کوئی ثبوت میرے پاس نہیں؛ مگر یہ بات مجھے قرینِ قیاس نظر آتی ہے کہ سیّد صاحب نے یہ خیال ممکن ہے کہ محمد امیر احمد علوی کی کتاب مثنویات سے لیا ہو۔ سیّد صاحب کے اعمال نامے پر تاریخِ اشاعت دسمبر ۱۹۴۳ء درج ہے۔ یہ اشاعتِ اوّل ہے۔ علوی صاحب کی کتاب اِس سے پہلے شائع ہو چکی تھی[1]۔ علوی صاحب نے لکھا تھا:

"فریبِ عشق نے رنگین مزاج نوجوانوں کی آتشِ شوق پر تیل چھڑکا۔ بہارِ عشق نے دردمندانِ محبت کے دل پھینے اور زہرِ عشق کی حسرت ناک موسیقی نے سارے شہر کو دیوانہ بنادیا..... اِن مثنویوں کو ایسی مقبولیتِ عام نصیب ہوئی کہ اگلے سخنوروں کے چراغ ٹمٹمانے لگے اور میر حسن کی سحرالبیان فراموش ہوگئی۔ حاسدوں نے اِن نظموں کی "لغزشِ مستانہ" کو پستیِ اخلاق سے تعبیر کیا۔ سفارشیں اُٹھوا کر برسوں ممنوعُ الاشاعت رکھا۔ بزرگوں کی سنجیدہ صحبتوں میں اُن کا تذکرہ اخلاقی جرم قرار دیا۔ لیکن شمع کی روشنی دامن سے اور چاند کا نور خاک سے چھپ نہیں سکتا۔ بہارِ عشق اور زہرِ عشق کو بقاء دوام کے دربار میں جگہ ملی اور نکتہ چیں منہ دیکھتے رہ گئے" [ص ۶۴، ۶۵]۔

اعمال نامے کی محوّلہ بالا اشاعتِ اوّل اور مثنویات، یہ دونوں کتابیں انجمن ترقیِ اردو [ہند] نئی دہلی کے کتاب خانے میں محفوظ ہیں اور وہی پیشِ نظر ہیں۔ یہی خیال ذرا سی صورت بدل کر اظہر علی فاروقی کی کتاب کے صفحات پر رونما ہوا ہے، اِس کا حوالہ آگے آتا ہے۔ خیال

---

[1] کتاب کے سرورق پر سالِ اشاعت درج نہیں، آخر میں بھی ایسی کوئی صراحت نہیں۔ کتاب کے مرتب اور ناشر مشیر احمد علوی ناظر کاکوروی نے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ یہ مقالہ رسالۂ نگار کے لیے نیاز فتح پوری کی فرمایش پر ۱۹۲۵ء میں لکھا گیا تھا۔ مرتب کے ایک صفحی دیباچے کے آخر میں تاریخ تحریر ۳۱ جنوری ۱۹۳۶ء درج ہے۔ اِس سے میں نے یہ قیاس کیا ہے کہ یہ کتاب ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی ہوگی۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:10
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

میرا یہی ہے کہ سب سے پہلے امیر احمد علوی نے اِس روایت کو درجِ کتاب کیا تھا اور بعد والوں نے اُسے اپنے اپنے الفاظ میں پیش کیا۔ چوں کہ روایت کے لیے حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھا گیا، اِس لیے کوئی الجھن بھی نہیں پیدا ہوئی۔ بات دل چسپ تھی، یوں لطفِ سخن بڑھتا گیا اور روایت دل چسپ بنتی گئی۔ لطفِ سخن کا چسکا بہت سے گُل کھلایا کرتا ہے اور یہ مثال بھی اِسی ذیل میں آتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ محقق کی نظر میں دل چسپی کی حیثیت وہ نہیں ہوتی جو انشا پرداز کے ذہن میں ہوتی ہے، اِسی لیے تحقیق ایسی ہر روایت کے لیے سند اور ثبوت کا مطالبہ کرتی ہے اور اِس پر اصرار کرتی ہے کہ قابلِ قبول حوالے کے بغیر کسی روایت کو، خواہ وہ کتنی ہی دل چسپ اور مشہور ہو، قبول نہ کیا جائے۔

اب تک کی بحث میں دو روایتیں سامنے آئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ شوق کی سبھی مثنویاں ممنوع الاشاعت تھیں۔ دوسری یہ کہ صرف دو مثنویاں [فریبِ عشق، بہارِ عشق] ممنوع الاشاعت تھیں۔ وجہ ایک ہی بتائی گئی ہے: اُن کا غیر مہذب اور غیر اخلاقی ہونا، یعنی عریانی اور فحاشی۔

تیسری روایت یہ ہے کہ شوق کی صرف ایک مثنوی زہرِ عشق پر پابندی لگی تھی اور اِس روایت نے، اُن دونوں روایتوں کے مقابلے میں زیادہ شہرت پائی۔ اِس روایت کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے، اِس کی بابت میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا؛ لیکن یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ نظامی بدایونی کی تحریر سے اِس روایت نے باضابطہ شہرت پائی۔

نظامی بدایونی نے اپنے مطبع نظامی پریس بدایوں سے ۱۹۱۹ء میں زہرِ عشق کا پاکٹ اڈیشن شائع کیا تھا، اُس کے دیباچے میں اُنھوں نے لکھا تھا:

> "یہ مثنوی، مرزا شوق کی دوسری مثنویوں کی طرح نایاب ہو گئی تھی۔ اِس کی وجہ یہ ہوئی کہ اِس کے ممنوع الاشاعت ہونے کی شہرت نے سالہا سال تک صوبجاتِ متحدۂ آگرہ و اودھ میں کسی صاحبِ مطبع کو اِس کے چھاپنے کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔
> اِس کی ممانعت طبع کے مسئلہ کو حل کرنے کے بعد، ہم نے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:10
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

خاص صحت اور اہتمام کے ساتھ...... اِس کی اشاعت کی جرات کی ہے۔" [ص ۴]۔

"ممانعتِ طبع" پر یہ حاشیہ لکھا گیا ہے:

"گورنمنٹ آرڈر ۳۵۵۹ / ۹۳۱-۴ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۱۹ء جوڈیشل [کریمنل] ڈپارٹ منٹ۔"

حاشیے کی اِس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۲ جولائی ۱۹۱۹ء کو ممانعتِ نشر و اشاعت کی منسوخی کا آرڈر جاری ہوا۔ اُنھوں نے اُس آرڈر کا نمبر بھی لکھا ہے۔ اُنھوں نے صراحت تو نہیں کی، لیکن وہ پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ "اِس کے ممنوع الاشاعت ہونے کی شہرت نے سالہا سال تک صوبجاتِ متحدہٗ آگرہ و اودھ میں کسی صاحبِ مطبع کو اِس کے چھاپنے کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا" اِس سے بہ ظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ پابندی اِسی صوبے سے متعلق تھی۔ اگر اِس بات کو مان لیا جائے، اُس صورت میں یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ تنسیخ کا مذکورہ حکم بھی صوبائی انتظامیہ نے جاری کیا ہوگا۔

اِن سب باتوں کو مان لینے کی صورت میں یہ سوال خود بہ خود پیدا ہوگا کہ یہ پابندی کیوں لگی تھی اور کب لگی تھی۔ ایک مشکل یہ بھی ہے کہ اِس کا باضابطہ حوالہ کہیں نہیں ملتا کہ ممانعت کا آرڈر کب جاری ہوا تھا اور وجہِ ممانعت کیا بتائی گئی تھی۔ ایسا کوئی حوالہ کہیں نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہو کہ کبھی کوئی ایسا آرڈر واقعتاً جاری ہوا تھا۔

میں نے شمس الرحمان فاروقی صاحب سے [جو اب الٰہ آباد میں قیام پذیر ہیں] یہ درخواست کی کہ وہ الٰہ آباد کے سرکاری محافظ خانے میں منسوخی کے اُس آرڈر کو تلاش کرائیں جس کی نشان دہی نظامی نے کی ہے۔ فاروقی صاحب نے مجھے مطلع کیا کہ متعلقہ افراد نے یہ بتایا کہ ایسے سب پُرانے کاغذ لکھنؤ کے آرکائوز میں منتقل کردیے گئے تھے۔ حُسنِ اتفاق سے لکھنؤ میں میرے کرم فرما اسلم محمود صاحب موجود تھے [جو ریلوے میں ایک اعلا عہدے پر فائز ہیں] میں نے اُن کو خط لکھا۔ اسلم محمود صاحب نے بہت دل چسپی کے ساتھ اُس آرڈر کی تلاش میں حصہ لیا۔ باضابطہ آرکائوز سے رابطہ قائم کیا اور ذاتی طور پر بہت کچھ کیا؛ لیکن

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:10
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کام یابی نہیں ہوئی۔ موصوف نے مجھے مطلع کیا:

"میرا آدمی کئی روز تک یو پی اسٹیٹ آرکائوز کے دفتر جاتا رہا۔ وہاں کے لوگوں نے بھی مطلوبہ فائل نکالنے کی کوشش کی، جس میں بعض دن میرا آدمی بھی شامل تھا، مگر کام یابی حاصل نہ ہوئی۔ بتایا گیا کہ تقریباً چار لاکھ فائلیں ہیں۔ ایسا گمان ہوتا ہے کہ فائل کا پورا نمبر آپ کے حوالے میں نہیں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ کام یابی نہ ہو سکی۔ آرکائوز والوں کا خط بھی آپ کو بھیج رہا ہوں" [مکتوبِ اسلم محمود صاحب بہ نامِ راقم الحروف، مورخہ ۱۹ر جولائی ۱۹۹۵ء].

آرکائوز والوں کا جو خط اُنھوں نے بھیجا ہے، اُس میں لکھا ہوا ہے کہ آپ کی مطلوبہ فائل آرکائوز میں دست یاب [اُپلبدھ] نہیں۔ اِس پر آرکائوز کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر [سہایک نردیشک] اوم پرکاش سریواستوا کے دستخط ہیں [اصل خط ہندی میں ہے اور میرے پاس محفوظ ہے]۔ آرکائوز کا یہ خط اسلم محمود صاحب کے نام ہے اور تاریخِ تحریر ہے ۷ر جولائی ۱۹۹۵ء۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ صحیح صورتِ حال کیا ہے۔ کیا اُس آرڈر کے نمبر غلط ہیں، نامکمل ہیں، یا ایسا کوئی آرڈر تھا ہی نہیں، یا یہ کہ تلاش میں کوتاہی برتی گئی، یا ایسی ہی کوئی اور وجہ ہے۔ میں اِس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اصل سوال جو بار بار میرے ذہن میں پیدا ہوتا ہے، یہ ہے کہ واقعتاً کبھی پابندی لگی تھی؟ یہ سوال بار بار ذہن میں یوں گونجتا ہے کہ نظامی کی تحریر کے مطابق پابندی اور اُس کی منسوخی، دونوں کا تعلق زہرِ عشق سے تھا اور اِس مثنوی میں ایسی کوئی بات ہی نہیں جو قانون کی نظر میں پابندی کی بنیاد بن سکے۔ دوسری بات یہ کہ سیّد رضا علی کی تحریر کے مطابق فریبِ عشق اور بہارِ عشق پر پابندی لگی تھی اور اُس کی وجہ تھی عُریانی۔ سوال یہ ہے کہ اِن دونوں میں سے کون سا قول درست ہے اور اُسے کس بنا پر صحیح مانا جائے۔

زہرِ عشق کے سلسلے میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے پہلی بار ایک زبانی روایت کا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:11
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

حوالہ دیا ہے۔ اُن کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

"لکھنؤ میں جب شروع شروع تھیٹر کا رواج ہوا تو کسی کمپنی نے اِس تماشے کو اسٹیج پر بھی دکھایا تھا۔ پُرانے لوگوں سے یہ روایت سُننے میں آئی ہے کہ جنازے کا منظر اور اُس کے پیچھے غم زدہ والدین کا ماتم کرتے اور پچھاڑیں کھاتے ہوئے چلنا جب دکھایا گیا تو تماشا گاہ ایک بزمِ عزا بن گئی۔ ہچکیوں اور سسکیوں کی آوازیں تو ہر طرف سے آرہی تھیں، بعضوں کو غش آگئے اور ایک آدھ نے شاید خودکُشی کی بھی ٹھان لی۔ اِس پر تماشے کا دکھانا قانوناً ممنوع کر دیا گیا اور کتاب کی اشاعت بھی عرصے تک بند رہی۔ اب چند سال ہوئے لکھنؤ کے مطبعِ مجتبائی نے پھر شائع کیا ہے" [مقالہ: عبدالماجد دریابادی، مشمولہ: زہرِ عشق، مرتبہ: مجنوں گورکھپوری، ص ۷۶]۔

"کتاب کی اشاعت بھی عرصے تک بند رہی" یہ خاصا مبہم جملہ ہے۔ اِس سے وضاحت کے ساتھ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اِس مثنوی کی طباعت کی ممانعت کر دی گئی تھی، اگرچہ بہ ظاہر مفہوم اُن کا یہی ہے۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ کسی کھیل کے دکھانے پر کسی وجہ سے پابندی لگا دی جائے؛ لیکن وہ مقامی ہوگی کہ لکھنؤ میں اُس تماشے کا دکھانا منع کر دیا گیا۔ اچھا یہ بھی مان لیجیے کہ پورے صوبے میں پابندی لگا دی گئی، مگر اِس میں کتاب کی نشر و اشاعت کیسے شامل ہو سکتی ہے۔ یہ بالکل الگ معاملہ ہے۔

پھر اِس سُنی سُنائی کی بُنیاد پر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ پورے ہندستان میں اُس کتاب کی نشر و اشاعت پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ کسی قصّے کا بہت غم انگیز ہونا اِس کا سبب تو بن سکتا ہے کہ مقامی طور پر اُس کے دکھائے جانے پر پابندی لگا دی جائے [میں صرف امکان کی بات کر رہا ہوں، واقعے کی نہیں] مگر غم انگیز ہونے کی بنا پر اصل قصّے کی اشاعت پر پابندی لگ جائے؛ ایسا کوئی قانون بنا ہی نہیں تھا۔ تھیٹر کے کسی تماشے کی ممانعت اور اُس تماشے سے متعلق کتاب کی نشر و اشاعت کی ممانعت، یہ دو

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:11
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

ف الگ باتیں۔ اگر ایسا کوئی دعوا کیا جائے کہ کسی تماشے کے بہت زیادہ غم انگیز ہونے
ی بنا پر اُس کتاب پر بھی پابندی لگادی گئی تھی جس پر وہ تماشا مبنی ہے؛ تو اِس
ہر معمولی بات کو مکمل وضاحت اور قابلِ اعتماد ثبوت کے بغیر قابلِ قبول نہیں قرار
یا جاسکتا۔ مولانا کی یہ زبانی روایت بھی اِسی ذیل میں آتی ہے۔ مولانا نے معلوم نہیں
سُنا تھا، اور جب خود اُس سُنے ہوئے کو لکھنے بیٹھے تو اصل کی مطابقت کا تناسب کیا
۔ یہ خیال رہے کہ اصل راوی مجہول الاحوال ہیں۔ معلوم نہیں وہ کون لوگ تھے اور کیا اُنھوں
نے بھی دوسروں سے سُنا تھا؟

روایتیں کس طرح اپنے آپ کو بدلا کرتی ہیں، اِس کی بہت اچھی مثال اِسی
ہر بحث روایت کے سلسلے میں سامنے آتی ہے۔ مولانا ماجد کی روایت اوپر نقل کی
ئی ہے، جس میں اُنھوں نے زہرِ عشق کے سلسلے میں بیان کیا ہے کہ جب اسے تماشے
صورت میں دکھایا گیا تو تماشا گاہ بزمِ عزا بن گئی اور خاص کر یہ الفاظ کہ "ایک
دھ نے شاید خودکشی کی بھی ٹھان لی"۔ اب اِس روایت کے بدلے ہوئے
پ کو دیکھیے۔ شاہ عبدالسلام نے کلیاتِ شوق میں مثنوی زہرِ عشق کے ذیل میں
ھا ہے:

> "اِس مثنوی کی شہرت باذوق حضرات ہی تک محدود نہ تھی بلکہ اُس
> دور کی تھیٹر کمپنیوں نے بھی اِس کو ڈرامے کی شکل دے کر بہت
> ہی موثر انداز میں جگہ جگہ پیش کیا۔ ایسا مشہور ہے کہ ایک بار لکھنؤ
> میں کسی تھیٹر کمپنی نے اِس مشہور مثنوی کو ڈرامے کی صورت
> میں پیش کیا۔ اِس کا اثر یہ ہوا کہ ایک لڑکی نے اِس عشقیہ
> داستان سے متاثر ہو کر خودکشی کر لی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومتِ
> ہند نے اِس کو اسٹیج پر پیش کرنے کی ممانعت کر دی اور
> اِس کے مضامین کو عریاں قرار دے کر اِس کی طباعت اور اشاعت

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:11
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

مولانا ماجد کا مضمون ۱۹۲۷ء میں[1] لکھا گیا تھا، شاہ صاحب کا مرتبہ کلیات ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا ہے، اکیاون[51] برس میں اِس روایت میں یہ تبدیلی ہوئی کہ اُس کی صورت ہی بدل گئی یا یوں کہیے کہ مسخ ہو گئی۔ تھیٹر کمپنیوں نے اِس مثنوی پر مبنی تماشے کو جگہ جگہ پیش کیا اِس ٹکڑے کا اضافہ ہو گیا۔ "پرانے لوگوں سے یہ روایت سننے میں آئی ہے" کی جگہ "ایسا مشہور ہے" نے لے لی۔ اِس کے بعد جو ٹکڑا اصل روایت میں ہے کہ جنازے کا منظر اور غم زدہ والدین کا ماتم کرتے اور پچھاڑیں کھاتے ہوئے چلنا جب دکھایا گیا تو تماشا گاہ بزمِ عزا بن گئی، بعضوں کو غش آ گئے، ہچکیوں کی آوازیں ہر طرف سے آ رہی تھیں؛ یہ سارا منظر، جس نے اُس روایت کو حقیقی روشنی بخشی ہے، غائب ہو گیا۔ سب سے بڑی تبدیلی، جس نے اُس روایت کو یکسر بدل دیا، یہ ہوئی کہ جہاں اصل روایت میں تھا کہ "ایک آدھ نے شاید خودکشی کی بھی ٹھان لی" [اِس میں لفظِ "شاید" توجہ طلب ہے] وہاں یہ قطعی "واقعہ" آ گیا کہ "ایک لڑکی نے اِس عشقیہ داستان سے متاثر ہو کر خودکشی کر لی"۔ اِس کے ساتھ ساتھ یہ بیان بھی کہ اُس لڑکی کے خودکشی کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ "حکومتِ ہند نے اِس کو اسٹیج پر پیش کرنے کی ممانعت کر دی اور اشاعت پر پابندی عائد کر دی"۔ اِس طرح یہ بالکل نئی وجہ پابندی کی سامنے آئی کہ ایک لڑکی کے خودکشی کر لینے کی وجہ سے کھیل اور کتاب، دونوں پر "حکومتِ ہند" نے پابندی لگا دی۔

میں یہاں ایک بات پر خاص کر زور دینا چاہتا ہوں۔ مثنوی گلزارِ نسیم کی تدوین کے دوران اُس سے متعلق متعدد زبانی روایتیں میرے سامنے آئیں۔ مثلاً یہ لکھا گیا کہ میں نے بزرگوں سے سُنا ہے، یا یہ کہ فُلاں صاحب کے بھائی، شاگرد یا داماد نے خود مجھ سے یہ کہا تھا، یا میرے سامنے یہ بیان کیا تھا؛ جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ ایسی سبھی روایتیں خانہ ساز تھیں۔ ایسی روایتوں کے بیان کرنے والے کون تھے؟ مولانا عبدالحلیم شرر اور پنڈت

---

[1] عطاء اللہ پالوی نے اِس مقالے کے لیے لکھا ہے کہ یہ رسالہ "سہیل [علی گڑھ] کے اپریل/مئی اور جون نمبر ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا" [تذکرۂ شوق، ص ۱۳۶]۔ میں نے سہیل کا وہ شمارہ نہیں دیکھا۔ زہرِ عشق مرتبۂ مجنوں میں یہ مقالہ شامل ہے اور میرے سامنے وہی ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:11
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

نرائن چکبست جیسے لکھنؤ کے محترم حضرات تھے، خصوصاً آخرالذکر۔ تب سے میں زبانی روایتوں
سلسلے میں پہلے سے زیادہ محتاط ہو گیا ہوں، خاص کر ایسی روایتیں جن پر کسی واقعے کے ہونے
ہونے کا دار و مدار ہو۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ روایت کی کچھ اصل تو ہے، لیکن نقلِ روایت
نتیجے میں اُس کا چہرہ مہرہ بدل گیا ہے یا بگڑ گیا ہے۔ مولانا ماجد کی یہ روایت بھی اِسی ذیل
آتی ہے۔ اِس کی بنیاد پر کوئی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔

مثنوی زہرِ عشق کے سلسلے کی ایک اور روایت کو بھی یہاں پیش کیا جا سکتا ہے۔ احسن
نوی کا ایک مضمون بہ عنوانِ "مثنوی زہرِ عشق کیوں کر وجود میں آئی" زہرِ عشق مرتبہ مجنوں میں
شامل ہے، اُس میں احسن صاحب نے [جو اپنے آپ کو شوق کا نواسا کہتے تھے] لکھا ہے کہ
زمانۂ شاہی میں "ہر شخص کو اختیار تھا کہ وہ اپنی بیوی یا لڑکی کو فروخت یا رہن کر دے۔" بنارس
کے رہنے والے ایک صاحب نے [جو بہ قولِ احسن صاحب غالباً عراق جانے والے تھے] اپنی بیوی
ستارہ کو رہن رکھ دیا۔ حکیم صاحب کے سالے عباس عیاش طبع آدمی تھے، اُن کی نظرِ التفات
ستارہ پر پڑی اور دونوں میں روابط ہو گئے۔ احسن صاحب نے مزید لکھا ہے کہ "اُس وقت
دستور بھی تھا کہ ایسی زرخرید عورتوں کو اُن کے مالک جائز یا ناجائز تعلق کے ساتھ اپنے
صرف میں لے آتے تھے۔"

کچھ دنوں بعد وہ شخص اپنی بیوی کو چھڑانے آ گیا۔ جس صبح کو روانگی تھی، اُس کی رات
حکیم صاحب استنجے کی ضرورت سے باہر نکلے تو سُنا کہ ستارہ اور عباس باتیں کر رہے ہیں۔
ستارہ رو رو کر اپنے جذبات کا اظہار کر رہی تھی۔ "حکیم نواب مرزا صاحب پر اِس واقعے سے
ایسا اثر پڑا کہ وہ اپنے اندر ایک خاص جذبۂ شعر گوئی محسوس کرنے لگے اور اُسی جگہ جو
خیالات اُن کے اندر پیدا ہوئے تھے، اُن کو کوئلے سے بنگلے کی دیواروں پر لکھنا شروع
کیا۔" ستارہ نے اِس غم میں زہر کھا لیا اور اُس کے شوہر کو ناکام بنارس واپس جانا پڑا۔
صبح کو "اُن اشعار کی نقل حکیم صاحب نے کر لی، جو بڑھ کر آج مثنوی زہرِ عشق کی صورت
میں نظر آتی ہے" [ص ۴۴۔ص ۴۸]۔

اِس سے پہلے بہ طور تمہید احسن صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:11
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

"چوں کہ وہ واقعہ جس کی بنا پر یہ مثنوی لکھی گئی، ہمارے ہی گھر کا تھا، اور بچپنے میں خود میں نے اپنی نانی سے اُس کو سُنا تھا، اِس لیے غالباً میرے بیان سے زیادہ قابلِ وثوق بیان اِس بات میں اور کسی کا نہیں ہو سکتا" [مشمولہ زہرِ عشق، مجنوں اڈیشن، ص ۴۴-۴۸]۔

احسن صاحب نے یہ ایک کام سمجھ داری کا کیا کہ بچپن کی عمر کا تعین نہیں کیا۔ اِس طرح اُن کو یہ کہنے کی آزادی حاصل رہی کہ "بچپنے سے میری مراد مثلاً پندرہ سولہ سال کی عمر سے ہے، تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ بچپنے کی باتوں کا کیا اعتبار۔ اِس قابلِ وثوق بیان کو اُن لوگوں نے قطعی طور پر قابلِ تسلیم قرار نہیں دیا جنھیں ادبی تحقیق سے لگاؤ ہے۔ میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے گیان چند جین کی رائے نقل کیے دیتا ہوں؛ مگر اِس سے پہلے یہ عرض کر دوں کہ احسن صاحب مدعی تھے کہ شوق اُن کے نانا تھے۔ کیسے نانا تھے، اِس کی صراحت اُنھوں نے کبھی نہیں کی۔ ڈاکٹر سید محمد حیدر نے اپنے تحقیقی مقالے حیاتِ شوق میں تحقیق کرنے کے بعد لکھا ہے: "احسن، مرزا شوق کی نواسی کے لڑکے تھے" [حیاتِ شوق، ص ۵۰]۔

جین صاحب نے لکھا ہے:

"فہمِ صحیحہ کے ساتھ کون اِس دعوے پر یقین کر سکتا ہے..... بیوی یا لڑکی کے رہن رکھنے کی رسم کو وہی مان سکتا ہے جس نے اپنی عقل رہن رکھ دی ہو۔ مثنوی کے اشعار کو کوٹلے سے.... لکھنا بھی نرالا خیال ہے۔ سارے اشعار لکھنے کے لیے دیوار کے کتنے رقبے کی ضرورت ہوگی۔ رات میں دیواروں پر کتابت کے لیے باغ کا بقعۂ نور ہونا کتنا ضروری تھا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ شوق نے اشعار کوٹلے سے دیوار پر کیوں لکھے، آسانی سے کاغذ پر کیوں نہ لکھ لیے۔

احسن لکھتے ہیں کہ زہرِ عشق کی تصنیف سے پہلے شوق کو شعر سے لگاؤ نہ تھا۔ صرف اِس مخصوص واقعے نے اُن کی رگِ شاعری کو حرکت

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:11
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

دی۔ اِس بیان کی غلط بیانی ظاہر ہے۔ کوئی مبتدی زہرِ عشق جیسی مثنوی نہیں لکھ سکتا۔ ہمیں معلوم ہے کہ زہرِ عشق سے بہت پہلے شوق بہارِ عشق جیسی پُختہ مثنوی لکھ چکے تھے۔"

[اردو مثنوی شمالی ہند میں، جلدِ دوم، ص ۱۳۸]۔

جین صاحب نے مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: "احسن معتبر راوی تھے" [ایضاً، ص ۱۳۷]۔ عطاء اللہ پالوی نے تفصیل کے ساتھ احسن کی بیان کردہ اِس کہانی کا جائزہ لیا ہے، آخر میں لکھا ہے:

"جناب احسن لکھنوی کا وہ بیان محض من گھڑت، فسانہ، فرضی داستان اور ایک بے معنی و مجموعۂ اضداد جنبشِ قلم ہے، جس کو اصلیت سے مطلق کوئی تعلق نہیں اور اُس پر وثوق و اعتبار ناممکن ہے۔"

[تذکرۂ شوق، ص ۲۴۰ سے ص ۲۵۳ تک]

آپ نے احسن صاحب کی روایت سُن لی، اب اِسی سلسلے کی اور اِسی پائے کی ایک اور روایت سُن لیجیے۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کا ایک مضمون مثنویاتِ شوق سے متعلق شائع ہوا تھا، اُس مضمون کی تیسری قسط میں اُنھوں نے زہرِ عشق کے سلسلے میں "معتبر آدمیوں" سے سُنی ہوئی ایک روایت لکھی ہے:

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ اِس کے ہیرو خود مرزا شوق ہیں، لیکن ہم نے ابھی کچھ دن ہوئے لکھنؤ میں معتبر آدمیوں سے یہ پہلی مرتبہ سنا ہے کہ شوق لکھنوی نے زہرِ عشق میں میر مونس کی داستانِ محبت کو بیان کیا ہے" [ہفتے وار ہماری زبان (دہلی)، شمارہ ۲۲ ستمبر ۱۹۸۹ء]۔

غرض کہ ایسی سُنی ہوئی باتوں کو مان لینا اور اُن کی بنیاد پر نتیجہ نکال لینا صحیح طریقۂ کار نہیں۔ پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ مولانا ماجد نے قطعیت کے ساتھ کوئی بات نہیں لکھی، اِس طرح کسی بھی بات کو نہیں لکھا جس طرح کوئی واقعہ لکھا جاتا ہے۔ پابندیِ اشاعت سے متعلق جو حوالے ملتے ہیں، اُن سے یہ بات غیر مشکوک طور پر متعین نہیں ہوپاتی۔ جب

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:11
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

احوال یہ ہو کہ ہمارے مقتدر اہلِ قلم کو [بہ شمولِ مولانا حالی و پنڈت دتاتریہ کیفی] یہ نہ معلوم ہو کہ حقیقتاً شوق کی کتنی مثنویاں تھیں [اِس کی تفصیل "مثنویاتِ شوق کی تعداد" کے تحت آئے گی] اور جب بلا تکلف یہ لکھا جائے کہ شوق کی سب مثنویاں اِس قدر مخرّبِ اخلاق ہیں کہ ایک مدت سے بہ حکمِ گورنمنٹ اُن کا چھپنا بند ہے ؛ اِس صورت میں کس کی بات پر بھروسا کیا جا سکتا ہے اور مجہول روایتوں اور اشتہاری حوالوں پر واقعات کی بنیاد کیسے رکھی جا سکتی ہے۔

اِسی سلسلے کی ایک اور روایت بھی دل چسپی سے خالی نہیں۔ اِس سے پہلے سیّد رضا علی کے اعمال نامے کی وہ عبارت نقل کی جا چکی ہے جس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ لکھنؤ کے تنگ خیال اور تنگ نظر، گندم نما جو فروشوں کی شکایت پر حکومت نے فریبِ عشق اور بہارِ عشق پر پابندی لگا دی۔ سیّد صاحب نے تنگ خیال، تنگ نظر، گندم نما جو فروشوں کے جو لفظ استعمال کیے ہیں تو اِس میں مذہبی طبقے کے لوگوں کو بھی [کنایتاً] شامل کر لیا۔ سیّد صاحب نے جو روایت دو مثنویوں [فریبِ عشق اور بہارِ عشق] کے متعلق لکھی تھی، ڈاکٹر اظہر علی فاروقی نے ویسی ہی روایت تیسری مثنوی زہرِ عشق کے لیے لکھی ہے :

> "مثنوی کی اشاعت ممنوع قرار دیے جانے کے بارے میں ہم ۱۹۳۰ء سے بہت کچھ سنتے چلے آ رہے ہیں، اور ویسا ہی مولانا عبدالماجد دریا بادی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے ..... لیکن ہمیں یہ سب محض شاعری پر محمول معلوم ہوتا ہے۔ بات دراصل یہ ہوئی کہ مذہب کا بے پناہ پابند طبقہ اِس قصّے کو بے حیائی اور عریانی کا بدترین نمونہ سمجھتا تھا، خصوصاً مہ جبیں کے اقدام کو، اِس لیے اُنھوں نے وفد کی صورت میں اِس کے خلاف مسلسل جدّ و جہد کر کے، اِس کی اشاعت کو بند کرا دیا۔"
> [اردو مثنوی ایک عمومی مطالعہ، جلدِ اوّل، ص ۱۵۸ ؛ بہ حوالۂ حیاتِ شوق، ص ۳۹۶]۔

یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ اُس بیتنہ وفد کی تشکیل اور اُس کی بیتنہ کارکردگی اور پھر کامیابی

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:12
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کا یہ احوال کہاں سے معلوم ہوا؟ جب تک اِس سوال کا جواب اور تحقیق کے لحاظ سے قابلِ قبول جواب نہ دیا جا سکے، اُس وقت تک اِس کو محض خیال آرائی کہا جائے گا؛ اگرچہ فاروقی صاحب نے اِسے بہ طورِ واقعہ پیش کیا ہے۔ مولانا ماجد کی پُرانے لوگوں سے سُنی ہوئی روایت تو "محض شاعری" ٹھہری اور اپنی محض قیاس آرائی کو اُنھوں نے حقیقتِ واقعہ کا درجہ عطا کر دیا۔ تحقیق کے نقطۂ نظر سے یہ دونوں روایتیں بل کہ تینوں روایتیں یعنی مولانا ماجد، سیّد رضا علی اور فاروقی صاحب کے بیانات موجودہ صورت میں قابلِ قبول ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ سیّد صاحب کی روایت سے مقدم امیر احمد علوی کی اِسی انداز کی روایت ہے۔ بہ ظاہر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ سیّد صاحب نے اصلاً علوی صاحب کی روایت سے استفادہ کیا تھا اور فاروقی صاحب نے سیّد صاحب کی روایت سے [یا اِن دونوں روایتوں سے] استفادہ کیا ہے۔ چوں کہ کسی نے اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا، اِس لیے محمد حسین آزاد کے الفاظ میں بد گمانی گناہ گار کرتی ہے کہ دونوں موخر حضرات نے علوی صاحب کی روایت کی تکرار اپنے اپنے انداز سے کی ہے۔

میں یہاں ایک اور روایت کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ اِس بنا پر نہیں کہ وہ روایت سنجیدگی کے ساتھ قابلِ توجہ ہے، قطعی طور پر نہیں؛ بل کہ اِس کی مزید وضاحت کے لیے کہ روایتوں کی رنگا رنگی کا احوال کیا ہے۔ سیماب اکبرآبادی کے ایک معروف شاگرد فیاض فتح آبادی نے ذکرِ سیماب کے نام سے اُن کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ایک مختصر سی کتاب لکھی ہے، اُس میں اُنھوں نے رسالۂ شاعر کے آگرہ اسکول نمبر کے حوالے سے لکھا ہے:

"ٹونڈلہ میں ارشاد احمد خاں ارشاد نظامی اکبرآبادی سیماب کے شاگرد ہوئے۔ یہ بھی ریلوے ہی میں ملازم تھے۔ اُنھی کی تحریک پر سیماب نے سب سے پہلے سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا سے خط و کتابت کر کے مشہور مثنوی زہرِ عشق کو کتبِ ممنوع الاشاعت کی فہرست سے نکلوا کر آگرے سے شائع کیا۔ اُس کے بعد اِس کی اشاعت تمام ہندستان میں عام ہو گئی۔ شاعر، آگرہ اسکول نمبر، سال نامہ ۱۹۳۷ء، ص ۵۲۳" [ذکرِ سیماب، ص ۳۱]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:12
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

منعِ اشاعت کے سلسلے میں گارساں دتاسی کے ایک مقالے (۱۸۷۴ء) کے متعلقہ مندرجات پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ دتاسی نے ۱۸۷۴ء کے مقالے میں فحش ادب سے متعلق مسائل اور مشکلات کا خاصی تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ اِس سلسلے میں پنڈت کرشن لال کے "مبسوط مقالے" کا حوالہ دیا ہے جو اخبار پنجاب کے شمارہ ۲۰ر فروری ۱۸۷۴ء میں شائع ہوا تھا۔ پنڈت جی نے یہ مقالہ خاص کر یوں لکھا کہ "لاہور آنے کے بعد اُنھوں نے چند کتابیں خریدنے کا ارادہ کیا لیکن وہ کسی طرح دست یاب نہ ہوسکیں..... وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ کوئی شخص بیوپاری کے بہروپ میں آیا اور کسی کتب فروش سے جعفر زٹلی کی کلیات اور دھونکل نامہ طلب کیا۔ کتابیں خرید کر یہ بہروپیا عدالت پہنچا اور فحش کے الزام میں نالش جڑ دی۔ بے چارے کتب فروش کو فحش کتابیں بیچنے کے جرم میں جرمانہ ادا کرنا پڑا۔ مقدمے کا خرچ الگ گلے پڑا" [مقالاتِ گارساں دتاسی، حصۂ دوم، انجمن ترقیِ اردو دہلی، ص ۵۸]۔

اِس کے حاشیے کی یہ عبارت ہے: "پنجابی کی ۱۱ر اپریل کی اشاعت میں تحریر ہے کہ کلکتے میں راہ چلتے فحش گیت گانے کے جرم میں کئی من چلوں کو جرمانے کی سزا ہوئی ہے"۔ دتاسی نے مزید لکھا ہے: "اِس عرصے میں کتب فروشوں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھنا مناسب نہ سمجھا، اُن لوگوں نے لاہور سے ایک عریضہ حکومت کی خدمت میں اِس غرض سے پیش کیا ہے کہ قانونِ امتناعِ فحشیات کی صاف تشریح ہونی چاہیے [علی گڑھ اخبار، ۲۲ر جون ۱۸۷۴ء]۔ اُن کے ایک نمایندے نے اخبار پنجابی میں یہ مضمون شائع کیا ہے"۔

اِس مضمون کو دتاسی نے نقل کر دیا ہے۔ ہمارے کام کی اِس میں مندرجہ ذیل سطریں ہیں:

> "حکومت سے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ صرف کلیاتِ جعفر زٹلی اور لذتُ النسا، جیسی کتابیں موردِ عتاب ہیں، یا مذکورہ کتابوں [دیوانِ حافظ، جامی کی یوسف زلیخا، مثنوی نیرنگِ عشق، بہارِ دانش، گلستاں، بوستاں] پر بھی تحدید عائد ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ کئی کتاب فروشوں پر اِن کتابوں کی اشاعت کے جرم میں جرمانے ہو چکے ہیں۔ ہم

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

> یہ ماننے کو تیار ہیں کہ ان دونوں کتابوں میں بداخلاقی کی جھلک ملتی ہے، اس کے باوجود اس باب میں حکومت کا رویّہ یکساں نہیں ہے۔ لکھنؤ میں بہارِ عشق اور زہرِ عشق بیچنے والوں پر برائے نام ایک ایک روپیا جرمانہ ہوا۔ کلیاتِ جعفر زٹلی اور لذّت النسا، کی بکری پر لاہور، کرنال، سیال کوٹ، ملتان اور جہلم میں مختلف جُرمانے وصول کیے گئے۔"

اِس تحریر سے یہ تاثر اُبھرتا ہے کہ جرمانہ کرنا مقامی حکّام کی رائے پر منحصر تھا۔ "کلکتے میں راہ چلتے فحش گیت گانے کے جرم میں من چلوں کو جرمانے کی سزا ہوئی ہے" اِس سے بھی اِسی کی تائید ہوتی ہے۔ یہ اختیاری اور انتخابی جُرمانے مرکزی قانونِ فحشیات کے تحت کیے جاتے ہوں گے۔ اِس قانون میں کم سے کم جرمانے کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی تھی، اِسی بنا پر ایک روپیا بھی جرمانہ ہو سکتا تھا۔

شہزاد احمد کا ایک مفصّل مضمون "فحش ادب کیا ہے" کے عنوان سے مجلّہ نقوش [لاہور] کے شمارہ ۱۳۹ میں شائع ہوا ہے، میں اُس مضمون کا ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے قانونِ فحشیات کا پس منظر بھی سامنے آجائے گا۔ اُن کی تحریر کے مطابق اُس زمانے میں مخربِ اخلاق فحش کتابیں "زیادہ تر بنگلہ زبان میں شائع ہوتی تھیں۔ ۱۸۵۵ء کے وسط سے کلکتے کے اخبارات و جرائد نے اِس قسم کے قابلِ اعتراض مواد کی اشاعت پر احتجاج کرنا شروع کیا۔ "کلکتہ ٹِکس سوسائٹی" کی طرف سے پہلی بار اُس کی تیسری سالانہ رپورٹ بابت ۱۸۱۹ء میں گذشتہ پندرہ برسوں کے دوران شائع ہونے والی مخربِ اخلاق کتابوں کی تفصیل شائع ہوئی، جس کے نتیجے میں کلکتے کے اٹھارہ برہمنوں اور گیارہ کائستھوں کی جانب سے ایک مشترکہ بیان میں مخربِ اخلاق کتابوں کی اشاعت پر شدید احتجاج کیا گیا.... مسلسل دباو کی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے مجبوراً ۲۶ جنوری ۱۸۵۶ء کو "اوبسین ٹِکس اینڈ پکچرز ایکٹ" منظور کیا۔ دُنیا کی تاریخِ قانون سازی میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا قانون تھا۔ اِس قانون کے پیش لفظ میں کہا گیا تھا:

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

5:12
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

"مخرب اخلاق کتابیں اور تصویریں چوں کہ اخلاقی زوال کا سبب بنتی ہیں، اس لیے اُن کی تجارت بند کرنے کے لیے مندرجۂ ذیل کارروائی کی جارہی ہے:

"Whoever within the tarritaries in the possession under the Government of the east India company any shop,bazar,street,thoroughfare, high-road or other place of public resort,bistributes, sells or offers or exposes for sale or wilfully exposes to public view, any obscene book, paper, print, drafting, painting or representation or utters any obscene song, ballade or works to the annoyance of others shall,upon conviction.....be liable to a fine not exceeding hendred rupees or to imprisonme with or without hard labour for a period no exceeding three months or both."

اِس قانون کے تحت ایسی تحریریں آتی تھیں، ایسی کتابیں آسکتی تھیں جن میں فحش جنسی کہانیاں ہوں یا ایسا ہی دوسرا مواد ہو؛ مگر زہرِ عشق میں تو ایسی کوئی چیز ہی نہیں، اِس بنا پر یہ کتاب تو اِس قانون کے تحت آتی ہی نہیں اور یوں اِس قانونِ فحشیات کے تحت تو اِس پر پابندی لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اِس کا ضرور امکان ہے کہ بہارِ عشق اور زہرِ عشق ایک جلد میں مجلد ہوں یا کسی ناشر نے اِن کو ایک ساتھ چھاپا ہو اور کسی شخص نے بہارِ عشق کے بعض اشعار پڑھ کر کسی انگریز یا ویسے ہی کسی دیسی افسر کو سُنائے ہوں اور کہا ہو کہ یہ دونوں کتابیں ایسے ہی اشعار کا مجموعہ ہیں، اور اُس نے ایک روپیا جرمانہ کر دیا ہو۔ ایسی

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:12
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

باتیں ناممکن الوقوع نہیں اور ایسے افسر بھی نایاب نہیں رہے ہیں۔

میں اِس امکان سے انکار نہیں کرتا کہ لکھنؤ میں جب پہلی بار زہرِ عشق کو [ڈرامے کی شکل میں] اسٹیج پر دکھایا گیا ہو تو کچھ رقیق القلب حضرات بہت متاثر ہوئے ہوں۔ [گریہ و بکا کے مضامین میں یوں بھی وہاں تاثیر کی فراوانی رہی ہے] اور اِس بنا پر مقامی طور پر اُس تماشے کا دکھانا منع کر دیا گیا ہو [اور ہم جس سے متعلق ضروری تفصیلات سے اور واقعے کی حقیقی شکل صورت سے واقف نہیں]۔ مثال میں عطاء اللہ پالوی کے اِس چشم دید واقعے کو پیش کیا جاسکتا ہے:

> "چند سال اُدھر کی بات ہے کہ ایک امریکن فلم میں افریقہ کا ایک سین، جس میں ایک خوں خوار شیر ایک دوشیزہ کو اُٹھا کر لے گیا تھا، جس وقت پہلے پہل اسٹیج پر دکھایا گیا، خود میری نگاہوں نے دیکھا تھا کہ کئی یورپین عورتیں چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی تھیں، جس کی بنا پر دوسرے دن کلکٹر نے اُس فلم سے اُس حصّے کو حذف کر کے فلم دکھانے کا حکم صادر کر دیا تھا۔" [تذکرۂ شوق، ص ۱۲۷]۔

مگر مقامی ممانعت سے [اگر وہ ہوئی ہے] اُس قصّے پر مبنی کتاب کا قانونِ فحاشی کے تحت ممنوع الاشاعت قرار دیا جانا کسی ثبوت کے بغیر قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ ایسی کوئی قابلِ قبول روایت اور ایسا کوئی ثبوت ہمارے سامنے موجود نہیں۔

اب رہا ہمارے بعض اکابرِ ادب کا یہ کہنا کہ شوق کی سبھی مثنویاں اِس قدر مخربِ اخلاق، اِم مورل اور فحش ہیں کہ ایک مدت تک اُن کا چھپنا بند رہا؛ ایسے اقوال کو تقلیدی عادت کا نتیجہ سمجھنا چاہیے اور غیر تحقیقی مزاج کا کرشمہ۔ یہ بات ہمارے سامنے رہنا چاہیے کہ ہمارے بہت سے معروف اہلِ قلم تحقیقی مزاج نہیں رکھتے تھے، اِس لیے ایسے اقوال پر نہ تو تعجب ہونا چاہیے اور نہ اُنھیں لازماً قابلِ قبول سمجھنا چاہیے۔ میں اِس کی ایک اچھی مثال اِسی زمانے کے ایک معروف لکھنے والے کے یہاں سے پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ شہزاد احمد کے مقالے کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، اِسی مقالے میں اُنھوں نے یہ بھی لکھا ہے:

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:12
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

"دُنیا کے کلاسکی ادب میں بعض ایسی تصانیف ہیں جو آج کے دور کے نقطۂ نظر سے بہت فحش اور مخرّبِ اخلاق ہیں، مثلاً الف لیلہ ..... مرزا شوق کی مثنوی زہرِ عشق۔"

کون مانے گا اِس بات کو کہ مثنوی زہرِ عشق "بہت فحش اور مخرّبِ اخلاق" ہے اور وہ بھی "آج کے دور کے نقطۂ نظر سے"۔ یہ ضروری بھی نہیں ہوتا کہ کسی لکھنے والے نے جتنی باتیں لکھی ہیں، اُن سب کو ماننا ضروری ہو۔ اُنھی اجزا کو مانا جاتا ہے جو واقعتاً قابلِ قبول ہوں۔ جو حضرات اپنے آپ کو نقاد کہتے ہیں، اُن میں سے بیش تر کے مزاج کو تحقیق سے دور کی بھی مناسبت نہیں ہوتی، اِس لیے وہ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے حضرات کو یہ معلوم ہوتا ہوگا کہ کیا لکھنا ہے، لیکن عموماً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا نہیں لکھنا ہے۔

نظامی بدایونی نے جس گورنمنٹ آرڈر کا حوالہ دیا ہے [اگر ایسا کوئی آرڈر فی الواقع جاری کیا گیا تھا] وہ مل جائے تب شاید صحیح طور پر کچھ معلوم ہو سکے۔ جب تک وہ آرڈر نہیں ملتا، اُس وقت تک اِس سلسلے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ اِس سلسلے کی جس قدر روایتیں ہیں، اُن پر کسی واقعے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ یہ بات نظر میں رہنا چاہیے کہ کسی کھیل تماشے کا مقامی طور پر اور عارضی طور پر کسی وجہ سے ممنوع قرار دیا جانا، مستقل حکمِ امتناعی کا مرادف نہیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ مقامی یا عارضی طور پر کسی طرح کی ممانعت کا بھی تو کوئی ثبوت ہونا چاہیے اور ایسا کوئی "ثبوت" موجود نہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ صحیح صورتِ حال کیا تھی۔ ادب کا کوئی محنتی طالبِ علم، جو اصولِ تحقیق سے بھی آشنا ہو، متعلقہ سرکاری کاغذات کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے، اُس صورت میں ممکن ہے کہ وضاحت کے ساتھ کچھ معلوم ہو سکے۔

یہاں ایک مشکل کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ مثنویات کے اکثر پُرانے نسخوں پر سنہِ طباعت ملتا ہے، لیکن موخر مطبوعہ نسخوں کا احوال اِس سے مختلف ہے کہ عام طور پر سنہِ طباعت درج نہیں ہوتا۔ اِس وجہ سے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ۱۹۱۹ء سے پہلے زہرِ عشق یا دوسری دونوں مثنویوں کی اشاعت کا احوال کیا رہا ہے۔ چھپے ہوئے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:12
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

نسخے تو بہت سے مطبعوں کے ملتے ہیں؛ چوں کہ اُن پر سنہِ طباعت درج نہیں ہوتا، اِس وجہ سے زمانۂ طباعت کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ مثنویاتِ شوق، خاص کر زہرِ عشق کے بہت سے ایسے مطبوعہ نسخے نظر سے گزرے ہیں اور خیال یہی ہوتا ہے کہ زہرِ عشق برابر چھپتی رہی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا رہا کہ اِس کتاب پر پابندی لگی ہوئی ہے اور وہ کتاب چھپتی بھی رہی۔ پابندی کی شہرت تجارتی سطح پر فائدہ پہنچاتی رہی۔

حیاتِ شوق میں [ص ۲۶۰ پر] زہرِ عشق کے ایک نسخے کا حوالہ ہے جو گلستانِ محمدی پریس مرزا منڈی لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔ اُس میں دو صفحے کا ایک دیباچہ بھی شامل ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے: "یہ بات مشہور تھی کہ اِس کا طبع کرانا قانوناً ممنوع ہے"۔ اِسی سے ملتی جلتی عبارت بعض اور مطبوعہ نسخوں کے شروع یا آخر میں بھی ملتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ممنوعُ الاشاعت ہونے کی روایت کی بنیاد بہت کچھ "شہرت" پر رہی ہے۔ یہ عام تجربہ ہے کہ ایسی ہر "شہرت" بہت جلد اور بہت دور تک پھیل جایا کرتی ہے اور اُس پر یقین کرنے والوں کی کمی نہیں ہوتی۔ ایسی "شہرت" سے ایک یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ کتاب بکتی خوب ہے۔ میں اِس پر پھر زور دینا چاہتا ہوں کہ شہرت، واقعیت کی مرادف نہیں۔ شہرت غلط بھی ہوسکتی ہے اور صحیح بھی۔ ایسی روایتوں کو لازمی طور پر قبولِ روایت کے آداب کے تحت ہی تسلیم کیا جاسکتا ہے، محض شہرت کی بنیاد پر نہیں۔ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اکثر اوقات اصل روایت نقل ہوتے ہوتے کچھ سے کچھ بن جایا کرتی ہے۔

مطبوعہ نسخے پہلے یہ وضاحت کردی جائے کہ شوق کی کسی مثنوی کا ایسا کوئی خطی نسخہ میرے علم میں نہیں جو مصنف کا خود نوشت ہو، عہدِ مصنف کا لکھا ہوا ہو یا قریبُ العہد ہو اور کسی بھی اعتبار سے اُس کی اہمیت ہو۔ مثنوی زہرِ عشق کے دو خطی نسخے میری نظر سے گزرے ہیں [جن میں سے ایک ڈاکٹر اکبر حیدری کی ملکیت ہے] لیکن دونوں نسخے، مطبوعہ نسخوں کی معمولی نقلیں ہیں۔

① **فریبِ عشق** ——— : اِس مثنوی کے تین مطبوعہ نسخے میرے سامنے ہیں۔ قدیم ترین نسخہ ۱۲۷۲ھ [۱۸۵۶ء] کا ہے۔ اِس کے سرورق پر تاریخ، سنہ اور مطبعے کا نام اِس

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:13
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

طرح مرقوم ہے:

"باہتمام حذاقت آئین خواجہ رحیم الدین بتاریخ بست و ہفتم شہر ذیقعدہ ۱۲۷۲ ہجری / در مطبع آغا جان مسمی بفیضی منطبع شد۔"

مثنوی کے صفحات کا مسطر اکیس۲۱ سطری ہے۔ کُل تینتیس۳۳ صفحات ہیں۔ مثنوی کے کُل اشعار چار سو اٹھارہ۴۱۸ ہیں۔ مثنوی صفحہ بائیس۲۲ کی ساتویں سطر پر ختم ہو جاتی ہے۔ آٹھویں سطر سے کسی عنوان کے بغیر ایک مسدس شروع ہوتا ہے۔ یہ شوق کا واسوخت ہے۔ صفحہ تینتیس۳۳ کی تیسری سطر پر یہ ختم ہو جاتا ہے۔ شاہ عبدالسلام کے مرتبہ کلیاتِ شوق [طبع ۱۹۷۸ء] میں یہ شامل ہے [بہ قولِ مرتب واسوختوں کے معروف مجموعے شعلۂ جوالہ میں بھی یہ موجود ہے]۔ شاہ صاحب کے مرتبہ نسخے کے متن میں اور مطبعِ فیضی والے اِس نسخے کے متن میں اختلافات ملتے ہیں۔ میں صرف ایک مثال پر اکتفا کروں گا۔ آٹھویں بند کا پہلا مصرع شاہ صاحب کے نسخے میں اِس طرح ہے: "چل بچل تھے نہ ٹھہرتے تھے گھڑی بھر اک جا" [ص ۹۴]۔ نسخۂ مطبعِ فیضی میں اِس کی صورت یہ ہے: "چُل بلے تھے نہ ٹہرتے تھے گھڑی بھر یکجا" [ص ۳۲]۔

مسدس [واسوخت] کے بعد "غزلِ مصنف" کے عنوان سے غزل کے سات شعر ہیں، مطلع یہ ہے:

غیر کے گھر میں رہو گو کوئی وہاں ہو کہ نہ ہو ∴ تمھیں بتلاؤ بُرا دل میں گماں ہو کہ نہ ہو

اِس میں مقطع موجود نہیں۔ شاہ صاحب کے مرتبہ کلیات میں یہ غزل شامل ہے مگر دو۲ ترمیموں کے ساتھ۔ میں نے صحیح لفظ نہیں لکھا۔ "ترمیم" کے بجائے "تحریف" کی کارفرمائی لکھنا چاہیے تھا۔ مطلعے کا پہلا مصرع نسخۂ شاہ صاحب میں اِس طرح ہے:

غیر کے گھر میں رہو کوئی وہاں ہو کہ نہ ہو

دوسری بات یہ ہے کہ نسخۂ شاہ صاحب میں اِس غزل کے صرف چھے شعر ہیں، جب کہ اصل نسخے میں سات شعر ہیں۔ یہ شعر نسخۂ شاہ صاحب سے غیر حاضر ہے:

حالِ دل اِس لیے تحریر کیا ہے میں نے ∴ کہ مبادا کہیں قاصد سے بیاں ہو کہ نہ ہو

اِس غزل کے بعد "غزل دیگر مصنف" کے عنوان سے ایک اور غزل ہے۔ یہ بھی سات شعر

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:13
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کی ہے۔ مطلع یہ ہے:

نزع میں بھجوائے شاید وہ ستم گر نامہ ∴ بدلے یاسین کے پڑھنا میرے اوپر نامہ

مقطع اس میں بھی موجود نہیں۔ پہلا مصرع موجودہ شکل میں ساقط الوزن ہے۔ یہ واضح طور پر غلطیِ کتابت ہے۔ غالباً صحیح شکل یہ ہوگی: نزع میں بھیج دے شاید.... [میرے کو مرے پڑھنا چاہیے]۔ [یہ غزل بھی نسخۂ شاہ صاحب میں موجود ہے] آخری سطر میں "تمام شد" لکھا ہوا ہے۔

کتابت کے لحاظ سے وہ سب خصوصیات اِس میں موجود ہیں جو اُس زمانے کی مطبوعہ کتابوں میں بہ طورِ عموم ملتی ہیں۔ جیسے آخرِ لفظ میں واقع یائے معروف و مجہول کی کتابت میں کسی طرح کا امتیاز نہیں۔ یہی احوال ہائے ملفوظ و مخلوط کا ہے۔ آخرِ لفظ میں واقع نونِ غنّہ پر ہر جگہ نقطہ لگا ہوا ہے۔ اعراب بالحروف کی قدیم روش کے مطابق پیش کے اظہار کے لیے متعدد لفظوں میں واؤ لکھا گیا ہے، مثلاً ، اوس، اون، مونہہ (منہ) تروکی (نہ رُکی)، اوٹھاتے (اُٹھاتے) وغیرہ۔ کتابت کی غلطیاں ہیں مگر کم اور بہت معمولی۔ مثنوی میں کہیں بھی ایسی کوئی صورت سامنے نہیں آئی کہ غلطیِ کتابت کے سبب سے متن میں کسی طرح کا اشتباہ پیدا ہوا ہو۔ آخر میں غلط نامہ شامل نہیں۔

اِس مثنوی کا اِس سے قدیم مطبوعہ نسخہ تلاش کے باوجود مجھے نہیں مل سکا۔ میری درخواست پر ڈاکٹر رحمت علی خاں یوسف زئی نے حیدرآباد کے کتاب خانوں میں محفوظ شوق کی مثنویوں کے مختلف اڈیشنوں کی تفصیلات بھیجیں۔ اِسی طرح خدا بخش لائبریری پٹنہ اور رضا لائبریری رام پور میں بھی تلاش کیا گیا، مگر مطبعِ آغا جان کے زیرِ بحث نسخے سے پہلے کا کوئی اڈیشن کہیں نہیں ملا۔ یہی احوال دہلی و لکھنؤ کے متعارف کتاب خانوں کا ہے۔ جن لوگوں نے شوق اور مثنویاتِ شوق سے متعلق خاص طور پر لکھا ہے [عطاء اللہ پالوی، گیان چند جین، شاہ عبدالسلام، ڈاکٹر اکبر حیدری، ڈاکٹر سید محمد حیدر] اُن کو بھی اِس مثنوی کا اِس سے پہلے کا نسخہ نہیں ملا۔

۱۲۷۲ھ کا یہ اڈیشن کیا اِس مثنوی کا پہلا اڈیشن ہے؟ اِس سلسلے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا امکان ہے کہ مثنوی تاخیر سے چھپی ہو اور یوں یہی اڈیشن

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:13
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

طبعِ اوّل ہو؛ لیکن یہ محض خیال ہے، قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اِس مثنوی کا بہ لحاظِ متن یہ مکمل اور معتبر نسخہ ہے، اِسی لیے متن کی بنیاد اِسی نسخے کو بنایا گیا ہے۔ اِس اڈیشن کے تین نسخے پیشِ نظر ہیں۔ دو نسخے ڈاکٹر نثار مسعود نے بھیجے ہیں اور ایک نسخے کا عکس خدا بخش لائبریری پٹنہ سے آیا ہے۔ بعض مقامات پر اِس کے لیے "ف" بہ طورِ نشان استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔ نول کشوری اڈیشن ــــــ: زمانی ترتیب کے لحاظ سے دوسرا مطبوعہ نسخہ مطبعِ نول کشور لکھنؤ کا ہے۔ اِس مطبعے سے ۱۸۶۹ء/ ۱۲۸۶ھ میں ایک مجموعہ 'مثنویاتِ شوق' شائع ہوا تھا، جس میں شوق کے نام سے چار مثنویاں شامل ہیں: بہارِ عشق، زہرِ عشق، لذتِ عشق، فریبِ عشق [اِسی ترتیب کے ساتھ] صفحات کے نمبر شمار مسلسل ہیں۔ [لذتِ عشق کو بھی شوق کی مثنوی لکھا گیا ہے، جب کہ یہ اُن کی نہیں۔ اِس سے متعلق ضروری باتیں "مثنویاتِ شوق کی تعداد" کے عنوان کے تحت لکھی گئی ہیں]۔ دوسری بار یہ مجموعہ وہیں سے ۱۸۷۱ء میں شائع ہوا۔ اِس اشاعت کا نسخہ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے اور اُس کا عکس میرے سامنے ہے۔ اِس اڈیشن میں بہارِ عشق اور زہرِ عشق کے خاتمے پر مختصر سی ڈیڑھ سطری عبارتِ خاتمہ ملتی ہے۔ آخر میں مندرجۂ ذیل عبارتِ خاتمۃُ الطبع ہے:

"قابلِ مدح وہ معشوقِ حقیقی رنگین مزاج ہے جس نے گل رخوں کے حسن سے فریبِ عشق کا دام بچھایا اور بہارِ عشق سے گلستانِ عالم کو سرسبز و شاداب فرمایا زہرِ عشق اس کی محفل میں آبِ حیات ہے لذتِ عشق رشکِ حلاوتِ شاخِ نبات ہے معشوق پن میں یہ عاشق مزاجی کا تقاضا ہے کہ وہ جمیل حسن احمدیؐ کا شیدا ہے سبحان اللہ حسن مصداق جمیل عشق پر نور ہے یہ صل علیٰ وہ نور علیٰ نور ہے یہ قصہ طول ہے سخن آرائی فضول ہے اب مطلب کا بیان ہے عشقِ مجازی کی داستان ہے بہارِ عشق لذتِ عشق فریبِ عشق زہرِ عشق کا مطالعہ کیجیے اس رباعی کے پردے میں نیرنگِ جمالِ حقیقی کا مشاہدہ کیجیے واقع میں یہ محبت کا مجموعہ ہے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:13
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

حسن وعشق کا خاتمہ ہے حکیم نواب مرزا صاحب لکھنوی شوق تخلص نے
تصنیف کیا ہے عاشق مزاجوں کے اہتمام سے مطبع منشی نولکشور لکھنؤ
میں ماہ اپریل ۱۸۷۱ء مطابق صفر ۱۲۸۸ھ دوبارہ چھپا ہے۔"

حیاتِ شوق میں ص ۱۴۲ پر اِس نول کشوری مجموعے کی اشاعتِ اوّل [۱۸۶۹ء] کی عبارتِ خاتمہ نقل کر دی گئی ہے اور اُس سے پہلے ایک صفحہ پر اُس عبارت کا عکس بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو ڈھائی سطروں کے اضافے سے قطعِ نظر، دونوں نسخوں میں عبارتِ خاتمۃُ الطبع ایک ہی ہے۔ فرق بس یہ ہے کہ طبعِ اوّل میں یہ پہلی سطر جلی قلم سے لکھی ہوئی ہے: "خاتمۃ الطبع ریختہ قلم شاعر خوش فکر ہنر پرور منشی محمود علی صاحب متخلص بہ ....." آخری لفظ چھپائی میں صاف نہیں آسکا ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ شاید یہ "ہنر" ہو [متخلص بہ ہنر]۔ آخر میں یہ زائد عبارت ہے، تعریف صحت وکتابت خود آرائی ہے اپریل ۱۸۷۹ عیسوی میں اس نے زینت طبع پائی ہے فقط"۔ اِس سے طبعِ اوّل کی تاریخ کا واضح طور پر تعین ہو جاتا ہے۔

یہ نول کشوری نسخہ [۱۸۷۱ء] مصوّر ہے، تصویریں بہت معمولی ہیں۔ حوالوں میں اِس مجموعے کے لیے "نول کشور"، "نسخۂ نول کشور" یا "نول کشوری اڈیشن" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

۳۔ تیسرا نسخہ وہ ہے جو شاہ عبدالسّلام کے مرتّب کیے ہوئے "کلیات نواب مرزا شوق لکھنوی" [طبعِ اپریل ۱۹۷۸ء] میں شامل ہے۔ شاہ صاحب نے ایک جگہ نہایت سرسری انداز سے لکھا ہے کہ ۱۸۶۹ء کا نول کشوری مجموعۂ مثنویات اُن کے سامنے ہے [ص ۲۲]۔ اُنھوں نے یہ بھی لکھا ہے: "اِس مثنوی کا ایک قدیم نسخہ مطبوعہ ۱۲۷۲ھ [مطبع آغا جان مسمّی بہ فیضی] پروفیسر مسعود حسن رضوی کے کتب خانے میں محفوظ ہے"۔ ایک قدیم تر، بہتر اور معتبر نسخے کے ہوتے ہوئے ایک موخر اور معمولی نسخے کو متن کی بنیاد کیوں بنایا، اُنھوں نے اِس کی وضاحت نہیں کی۔ اِس نسخۂ شاہ صاحب اور نسخۂ ۱۲۷۲ھ کے متن میں جو قابلِ ذکر اختلافات ملتے ہیں، ضمیمۂ تشریحات میں اُن کی نشان دہی کی گئی ہے۔ نول کشوری اشاعت

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:13
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اوّل [۱۸۶۹ء] اور شاہ صاحب کے مرتبہ نسخے میں بھی اختلافات ہیں۔ حیاتِ شوق میں اُن کی نشان دہی کی گئی ہے [ص ۱۵۱-۱۵۲]۔ کلّیات مرتبۂ شاہ صاحب کے لیے "ع" بہ طورِ نشان استعمال کیا گیا ہے۔

حیاتِ شوق کے ایک اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ عطاء اللہ پالوی نے نول کشوری اڈیشن طبعِ دوم [۱۸۷۱ء] پر مبنی مجموعۂ مثنویاتِ شوق مرتب کیا تھا جو پہلے سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا تھا [ص ۱۵۰]۔ میری نظر سے یہ نسخہ نہیں گزرا، البتہ ۱۸۷۱ء والا نول کشوری اڈیشن، جس پر پالوی صاحب کا نسخہ مبنی ہے، وہ میرے سامنے ہے۔ اِسی کتاب کے ایک اور اندراج کے مطابق "جنٹل مین بکڈپو امین آباد لکھنؤ کے ایما سے ہندستانی پریس لکھنؤ سے فریبِ عشق کا اڈیشن ۱۹۲۴ء میں پانچویں مرتبہ شائع ہوا تھا۔ جمنا داس بھگوان کے اہتمام سے فریبِ عشق اور لذتِ عشق کا ایک نسخہ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں مطبعِ علوی بمبئی سے چھپ کر شائع ہوا" [ایضاً، ص ۱۵۰-۱۵۱]۔ پالوی صاحب نے تذکرۂ شوق میں مثنوی خنجرِ عشق شائع کردۂ شیخ محمد عبدالرحمٰن و عبداللہ تاجرانِ کتب دھام پور ضلع بجنور میں شامل "اعلان" کی جو عبارت نقل کی ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ فریبِ عشق بھی قیتوی پریس دھام پور سے شائع ہوئی تھی۔ اور بھی مطبعوں سے چھپی ہوگی۔ مثلاً بہارِ عشق مطبوعۂ مطبعِ تیغ بہادر لکھنؤ کے آخر میں "اعلان" ہے جس میں لکھا گیا ہے: "مثنوی فریبِ عشق کا پاکٹ اڈیشن ہمارے یہاں سے نکل رہا ہے"۔ ڈاکٹر رحمت علی خاں یوسف زئی نے مطلع کیا ہے کہ ادارۂ ادبیاتِ اُردو حیدرآباد میں مطبعِ فتح الکریم بمبئی کا چھپا ہوا ایک مجموعہ ہے جس میں فریبِ عشق اور لذتِ عشق شامل ہیں۔ سالِ طباعت اُس میں مندرج نہیں۔ اِس طرح کے اور بھی مطبوعہ نسخے ہوں گے۔

ایسی عام پسند کتابیں چھپتی ہی رہتی تھیں؛ مگر یہ سب بہت معمولی اڈیشن ہیں اور ایسے نسخوں کی یہ حیثیت نہیں کہ بہ سلسلۂ تدوین اُن کو سامنے رکھا جائے۔ اب تک کی معلومات کے مطابق اِس مثنوی کا سب سے پُرانا اور معتبر نسخہ مطبعِ آغا جان ہی کا ہے اور یہی نسخہ بنیادی نسخے کی حیثیت رکھتا ہے، اِسی لیے اِسی نسخے کو متن کی بنیاد بنایا گیا ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:13
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

(۲) **بہارِ عشق** ——— : اِس مثنوی کے آٹھ نسخے پیشِ نظر ہیں۔ قدیم ترین اڈیشن وہ ہے جو ۱۲۶۶ھ میں مطبعِ سُلطانُ المطابع سے شائع ہوا تھا۔ سارے قرائن اِس پر دلالت کرتے ہیں کہ اِس مثنوی کا یہ پہلا اڈیشن ہے۔ اِس کے آخر میں جو عبارت خاتمۃُ الطبع "نثرِ خاتمہ" کے عنوان سے ہے، اُسے "مثنویات کا زمانۂ تصنیف" کے عنوان کے تحت نقل کر دیا گیا ہے۔ اِس "نثرِ خاتمہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی نواب ابو تراب خاں[1] کی فرمایش پر لکھی گئی تھی اور اُنھی کی فرمایش کے مطابق ["حسبِ فرمانِ واجب الاذعانِ نواب صاحب ممدوح"] ۱۲۶۶ھ میں شائع ہوئی تھی۔ اِس نسخے سے متعلق بعض ضروری باتیں "مثنویاتِ شوق کا زمانۂ تصنیف" کے تحت لکھی گئی ہیں۔

---

[1] نواب ابو تراب خاں کے متعلق میں مفصل معلومات حاصل نہیں کر سکا۔ گذشتہ لکھنؤ میں ایک جگہ واجد علی شاہی دور کے رئیس کی حیثیت سے "آغا ابو تراب خاں" کا نام ملتا ہے۔ "پتنگ بازی" کے تحت شررؔ نے لکھا ہے:

> "واجد علی شاہ کے زمانے میں ڈیڑھ کنّا کنکوا بن گیا، جس کی قطع موجودہ کنکوے کی تھی، مگر...... اب نواب محمد حسین خاں سالار جنگی، آغا ابو تراب خاں اور دو ایک شوقین رئیسوں نے پھُندنے کی جگہ نیچے پتا لگا کے، وہ کنکوا بنا دیا جو فی الحال مروّج ہے" [گذشتہ لکھنؤ، مکتبۂ جامعہ اڈیشن، ص ۲۲۱]۔

میرا خیال ہے کہ بہارِ عشق کی تصنیف اور اِس کی دونوں طباعتوں [اشاعتِ اوّل: ۱۲۶۶ھ۔ اشاعتِ ثانی: ۱۲۶۸ھ] کے محرک یہی ابو تراب خاں تھے۔

ضمنی طور پر یہ وضاحت شاید بے جا نہ ہو کہ ایک ابو تراب خاں عہدِ سعادت خاں بُرہان الملک میں بھی تھے۔ شررؔ نے اُن کا شمار برہان الملک کے ہمراہی "مغل سرداروں" میں کیا ہے۔ لکھنؤ کا محلّہ کٹرا ابو تراب خاں اُنھی کے زمانے کی یادگار ہے۔ شررؔ نے لکھا ہے:

> "اُس کے بعد برہان الملک، اجودھیا گئے اور دریا کنارے وہ بنگلا بنوایا جس کا حال ہم بیان کر چکے ہیں؛ لیکن وقتاً فوقتاً لکھنؤ آتے اور قیام کرتے تھے، کیوں کہ صوبے کا مستقر یہی شہر تھا۔ اُن کے زمانے میں یہاں کئی نئے محلّے آباد ہو گئے، مگر یہ سب محلّے اُن کے مغل سردارانِ فوج کے پڑاو کے مقامات تھے، جہاں مستقل سکونت کے لیے لوگوں نے مکان بنانا شروع کر دیے۔ سیّد حسین خاں کا کٹرا، ابو تراب خاں کا کٹرا ..... سب اُسی زمانے کے محلّے یا برہان الملک کے سردارانِ فوج کی لشکر گاہیں ہیں" [ایضاً، ص ۶۵]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:13
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اِس اشاعت کا ایک اچھا نسخہ مسعود حسن رضوی مرحوم کے ذخیرۂ کتب میں تھا، نیّر مسعود صاحب کی عنایت سے وہی نسخہ میرے سامنے ہے۔ اِس میں بیالیس ۴۲ صفحے ہیں۔ صفحہ اکتالیس ۴۱ کی تویں سطر پر مثنوی ختم ہو جاتی ہے۔ اِس کے بعد "نشرِ مصنّف" کے عنوان سے آٹھ ۸ سطروں پر مشتمل یہ عبارت ہے:

"اِس ذرّۂ بے مقدار کو منظور یہ تھا کہ محاورات صاحبات محل لورنچندی کے لوگوں کے کچھ بیان کرے؛ لہٰذا یہ مثنوی مخصوص اِسی واسطے کہی اور الفاظ غلط کہ اُن لوگوں کے محاورات میں جاری تھے موزوں کیے اور موافق قول اساتذہ کے ان کو صحیح سمجھ کر جاری رکھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ لفظ "منحصر" کو اگر اِن کے محاورات میں لکھے تو "منقصر"[1] لکھے، بلکہ اگر "منحصر" لکھے تو وہ غلط ہے۔ لہٰذا ارباب فہم و کمال پر پوشیدہ و مخفی نہ رہے کہ یہ حقیر بھی اِس مثنوی میں جا بجا موافق اقوال اساتذہ کے عمل میں لایا اور اُن کے الفاظِ غلط کو صحیح جان کر موزوں کیا اور علاوہ اِس کے جو غلطی ہوئی ہو، معاف فرمائیں۔"

آخر میں "تمام شد" ہے۔ [آخری لفظ "فقط" کی طغرائی شکل ہے جو قدیم تحریروں میں ملتی ہے]۔ ص ۴۲ پر "نشرِ خاتمہ" ہے۔ اِسے "مثنویات کا زمانۂ تصنیف" کے عنوان کے تحت نقل کیا گیا ہے۔ میرے سامنے جو نسخہ ہے، وہ یہیں ختم ہو جاتا ہے، یعنی اِس میں غلط نامہ شامل نہیں۔ مثنویاتِ شوق کے جتنے نسخے میں نے دیکھے ہیں، غلط نامہ کسی ایک میں بھی نہیں ملا؛ اِس سے خیال یہی ہوتا ہے کہ بہارِ عشق کے زیرِ بحث نسخے میں بھی یہ شامل نہیں ہوگا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ "نشرِ مصنّف" کے عنوان والی عبارت بعد کے نسخوں میں نہیں ملتی۔

---

[1] اِس لفظ کے سلسلے میں سیّد انشا کی یہ عبارت قابلِ توجہ ہے:
"منقّر" اصل میں "منحصر" ہے اور بعض عورتوں اور مردوں کی زبان سے گوش زد ہے، لیکن لائق اور استعداد والے "منحصر" بولتے ہیں، اگرچہ "منقّر" بھی سامعہ خراش نہیں ہے۔
[سیّد انشا: ترجمۂ دریائے لطافت، ص ۳۵۵]

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

مصنّف کی نظرِ ثانی کے بعد ١٢٦٨ھ میں جو نسخہ شائع ہوا تھا، اُس میں بھی یہ موجود نہیں۔

مثنوی کا مسطر اکیس سطری ہے، مگر ص ١٨ پر بیّس سطریں ہیں۔ اِس نسخے میں کُل اشعار آٹھ سو سترہ [٨١٧] ہیں۔ کتابت واضح ہے لیکن نستعلیق کتابت کے روایتی حُسن سے خالی ہے، کاتب معمولی درجے کا ہے۔ کتابت کی غلطیاں اچھی خاصی تعداد میں ہیں، لیکن ایسی کوئی غلطی نہیں جس کی وجہ سے شعر کی قرائت میں مشکل پیش آئے یا اُلجھن پیدا ہو۔ املا کے لحاظ سے وہ سب خصوصیات اِس میں بھی ہیں جن کا حوالہ فریبِ عشق نسخہ مطبعِ آغا جان کے تحت دیا جاچکا ہے۔ اِس نسخے کے لیے "س" بہ طورِ نشان استعمال کیا گیا ہے۔

٢ــ اِس مثنوی کا دوسرا اہم نسخہ [تدوین کے لحاظ سے جس کی حیثیت بنیادی نسخے کی ہے] ١٢٦٨ھ کا چھپا ہوا ہے۔ اِس کے سرورق پر اور عبارتِ خاتمہ میں [دونوں جگہ] سالِ طباعت موجود ہے۔ اِس اشاعت کا ایک مکمل نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہے اور اُس کا عکس میرے سامنے ہے۔ عکس میں لوح کا ابتدائی حصّہ نہیں آسکا ہے۔ عبارتِ سرورق:

"...... جہان گلشن آرای کن فکان سے / تصنیفات سخندان جادو
بیان حکیم تصدق حسین خاں سے یہ نظم نمونہ سحر کلام مثنوی زبان اردو /
بہارِ عشق / نام شوال کی بیسویں سنہ ١٢٦٨ ہجری کو شہر کانپور چھپر محال
سیتارام مُٹھیرے کے مکان میں مالک مطبع محمدی / حاجی حرمین شریفین
محمد حسین لکھنوی نے اپنے کارخانے میں چھاپی۔"

مثنوی کا مسطر اکیس [٢١] سطری ہے؛ مگر صفحہ اٹھارہ [١٨] پر بیس [٢٠] سطریں ہیں اور صفحہ چھبیس [٢٦] اور صفحہ اٹھائیس [٢٨] پر بائیس [٢٢] سطریں ہیں۔ املا کی وہ سب خصوصیات اِس میں بھی ہیں جن کا حوالہ نسخہ فریبِ عشق کے تحت دیا جاچکا ہے۔ اغلاطِ کتابت نسبتاً کم ہیں۔ کتابت اعلا درجے کی تو نہیں، مگر نسخہ سلطان المطابع سے بہتر ہے۔

اِس نسخے کی اہمیت یہ ہے کہ مصنّف کی نظرِ ثانی کے بعد چھپا ہے۔ اِس میں ترمیم بھی ہوئی ہے اور تنسیخ بھی، اِس اعتبار سے اِس کی حیثیت اصل نسخے کی ہوگئی ہے۔ اِس کے آخر میں "ترغیبِ عشقِ حقیقی" کے عنوان سے تیئیس [٢٣] اشعار کا اضافہ ملتا ہے اور عبارتِ خاتمہ

94
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

میں اِس کی صراحت ملتی ہے۔ بعد کے نسخوں میں، جو میری نظر سے گزرے ہیں، یہ اشعار تو ملتے ہیں، لیکن یہ عبارت نہیں ملتی۔ اِس عبارت کا عنوان ہے "نثرِ خاتمہ"۔ عبارت یہ ہے:

"الحمد للہ یہ نسخۂ معجون محبت دافع خفقان عاشقان اور مرہم زخم دل ریشاں منظومۂ حکیم ارسطوی زمان فلاطون دوران کہ نام نامی اور اسم گرامی تصدق حسین خان اور عرف سامی حکیم نواب مرزا صاحب شاعر شیرین زبان سردفتر سخنوران جہان طوطی ہندوستان بلبل خوش الحان نے حسب استدعاے بعضے دوستان لطیف کچھ خیال انجام اندیشی کر دُنیاے فانی کو ناچیز سمجھ کر اصل حقیقت کو بیان کیا تا اینکہ عارفان صافی دل اس کو ملاحظہ کر کے لذت حسن حقیقی اٹھاوین۔ لہذا دوبارہ بحر تفکر مین غواصی کر کے اس درِ شاہوار اور گوہر آبدار کو رشتۂ نظم میں منسلک کیا اور بہار عشق صادق نام رکھا اگر چشم انصاف سے بغور سیر کیجیے تو یون ہے کہ ابتدای اردوی معلّٰی سے آج تک ایسی نظم مسلسل شعرای سابق اور حال کی نظر سے بہت کم گزری ہوگی اور کسی نے ایسے محاورات مستورات محل کے باین لطافت و فصاحت کہ انجام اس کا بخیر ہے کبھی نہ سنے ہون گے حسب فرمان واجب الاذعان نوابصاحب ممدوح یہ نسخہ حیرت افزا بیچ شہر شوال سنہ ۱۲۶۸ ہجری کے قالب طبع مین آیا فقط۔"

اِس عبارت سے دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اِس مثنوی کا یہ ایسا اڈیشن ہے جو مصنف کی نظرِ ثانی کے بعد شائع ہوا ہے۔ "دوبارہ بحرِ تفکر میں غواصی کر کے" سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اشاعتِ ۱۲۶۶ھ [یعنی اشاعتِ اوّل] کے بعد یہ دوسرا اڈیشن ہے اور اس صورت میں اِس کو اعتماد کے ساتھ دوسرا اڈیشن کہا جائے گا۔ حسبِ فرمانِ واجب الاذعانِ نوابصاحب ممدوح" سے واضح طور پر "نواب ابوتراب خاں" مراد ہیں، جن کا نام طبعِ اوّل [سلطانُ المطابع ۱۲۶۶ھ] کی "نثرِ خاتمہ" میں آیا ہے۔ اِس طرح یہ بھی قطعیت

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:14
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کے ساتھ متعین ہوجاتا ہے کہ یہ نظرِ ثانی شدہ نسخہ، جو اِس مثنوی کی دوسری اشاعت ہے، اُنھی کی فرمایش پر چھاپا گیا تھا۔

اِس نسخے میں کُل آٹھ سَو بیالیس (٨٤٢) شعر ہیں۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ طبعِ اوّل میں آٹھ سَو سترہ (٨١٧) شعر ہیں۔ اشعار کی کمی اور بیشی کی ضروری تفصیل اِسی مقدمے کے ایک عنوان "اشعار کی بیشی" کے تحت ملے گی۔

اِن تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ سلطان المطابع کی اشاعت ١٢٦٦ھ اِس مثنوی کی اشاعتِ اوّل ہے اور مطبعِ محمدی کا نسخۂ ١٢٦٨ھ اشاعتِ ثانی ہے۔ یہ دوسری اشاعت مصنف کی نظرِ ثانی کے بعد سامنے آئی ہے، اِس لیے اصولِ تدوین کے مطابق اِس اشاعتِ ثانی [یعنی نسخۂ ١٢٦٨ھ] کو بنیادی نسخہ قرار دیا جائے گا اور متن میں اُسی کی مطابقت اختیار کی جائے گی؛ کیوں کہ ہم ایسے کسی نسخے سے واقف نہیں جو اِس نسخے کے بعد مصنف کی نظرِ ثانی کے ساتھ چھپا ہو۔ اب تک کی معلومات کے مطابق مصنف کا نظرِ ثانی کردہ یہ واحد نسخہ ہے، اِسی بنا پر اِسی نسخۂ ١٢٦٨ھ کو متن کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اِس نسخے کے لیے "م" بہ طورِ نشان استعمال کیا گیا ہے۔

اِن دو (٢) قدیم ترین نسخوں کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر اِس مثنوی کے مندرجۂ ذیل نسخے بھی پیشِ نظر رہے ہیں:

٣۔ نسخۂ مطبعِ علوی ـــــــ: اِس کے سرورق پر یہ صراحت موجود ہے: "در مطبعِ علوی ١٢٧٧ علی بخش خاں رونق طبع یافت"۔ آخر میں مختصر سی عبارتِ خاتمہ ہے جس کی آخری دو (٢) سطریں میرے عکس میں نہیں آسکی ہیں، سیاہی پھری ہوئی ہے۔ شاید اصل نسخے میں یہی صورت ہو۔ یہ عبارت خوانا ہے: "الحمد للہ والمنہ کہ نسخۂ بہارِ عشق من تصنیف حکیم نواب مرزا صاحب در شہر کانپور بمطبع علوی علی بخش ....." سرورق کی تحریر سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ ١٢٧٧ھ کا مطبوعہ ہے۔ مثنوی کا متن حوض میں بھی ہے اور حاشیے پر بھی ہے۔ حوض کا مسطر تیئیس (٢٣) سطری ہے۔ کُل صفحات بیس ہیں۔ متن کے لحاظ سے یہ اشاعتِ ثانی [١٢٦٨ھ]
[illegible]

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:14
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کی عنایت سے اُس کا عکس میرے سامنے ہے۔ اِس کے لیے "رخ" بہ طورِ نشان استعمال کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے طویل مضمون میں، جو زہرِ عشق مرتبۂ مجنوں گورکھپوری میں شامل ہے، بہارِ عشق کے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں؛ اِس سلسلے میں لکھا ہے:

"بہارِ عشق میں افسانے کا انجام شادی پر ہوتا ہے۔ پیشِ نظر نسخہ کان پور کے مطبعِ علوی علی بخش خاں کا ۱۲۷۷ھ کا چھپا ہوا نسخہ ہے، جو نسبتہً صحیح ہے۔ حال کے مطبوعہ نسخے، علاوہ بہت زائد اغلاطِ مطبعی کے، آخر سے ناقص بھی ہیں، شادی کا ذکر اُن میں غائب ہے۔"

۴۔ نسخۂ مطبعِ گلزارِ اودھ ——— : عبارتِ خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۸۳ھ کا چھپا ہوا ہے:

"الحمدللہ والمنہ کہ ان دنوں مثنوی بہارِ عشق تصنیف بلبلِ شیوا زباں طوطیِ ہندوستاں شاعرِ یکتا حکیم نواب مرزا حسب فرمایش محمد عبدالستار خاں کارندہ محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب مہتمم..... ربیع الاول ۱۲۸۳ ہجری کو مطبع گلزار اودھ لکھنؤ اہتمام خدا بخش خاں میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر پسندِ خاطرِ نازک خیالانِ باریک بیں ہوئی فقط۔"

جہاں نقطے رکھے گئے ہیں، اُس مقام پر پیشِ نظر نسخے میں کاغذ کٹا ہوا ہے۔ یہ مصوّر نسخہ ہے، تصویریں بہت معمولی ہیں۔ مسطر پچیس سطری ہے اور صفحہ چار کالمی ہے، یعنی ہر سطر میں چار مصرعے ہیں۔ اِس نسخے کا کاتب خاصا محتاط معلوم ہوتا ہے، غلطیاں کم سے کم ہیں ——— اغلاطِ کتابت کی تصحیح میں اِس نسخے سے خاص طور پر مدد ملی ہے۔ یہ نسخہ سیّد مسعود حسن رضوی مرحوم کے ذخیرۂ کتب میں تھا، اِسے ازراہِ لطف نیّر مسعود صاحب نے میرے پاس بھیجا ہے۔ اِس نسخے کے آغاز سے پہلے ایک سادہ ورق کے پہلے صفحے پر مسعود حسن رضوی مرحوم کی یہ یادداشت مندرج ہے:

"میں نے مثنوی بہارِ عشق کا وہ نسخہ عبدالباری آسی کے پاس دیکھا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:14
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

ہے جو مطبعِ محمدی کان پور میں ۱۲۶۸ھ میں چھپا تھا۔ اُس میں اصل قصے کے خاتمے پر ترغیبِ عشقِ حقیقی کے عنوان سے وہ ابیات درج ہیں جو اِس نسخے کے آخر میں بھی موجود ہیں۔ اُس نسخے کے خاتمے کی نثر سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے وہ اشعار بعد کو بڑھا دیے تھے۔ اِس کی تائید اِس سے بھی ہوتی ہے کہ میرے پاس اِس مثنوی کا وہ نسخہ جو پہلی مرتبہ ۱۲۶۶ھ میں چھپا تھا، موجود ہے اور اُس میں یہ ابیات درج نہیں۔ سید مسعود حسن رضوی ۲۲ جون ۱۹۴۳ء"

اِس نسخے کے لیے "گلزار" بہ طورِ نشان استعمال کیا گیا ہے۔

۵۔ نسخۂ نول کشور ——— : مثنوی فریبِ عشق کے مطبوعہ نسخوں کے تعارف کے تحت نول کشوری مجموعۂ مثنویات کا ذکر آچکا ہے اور اُس کی عبارتِ خاتمہ بھی نقل کر دی گئی ہے۔ یہ مصور نسخہ ہے، تصویریں معمولی اور بھدّی ہیں۔ متن کے لحاظ سے بہ طورِ عموم نسخۂ طبعِ ثانی کے مطابق ہے۔ اِس نسخے کے لیے ل، نول کشور، نسخۂ نول کشور یا نول کشوری اڈیشن کے الفاظ بہ طورِ نشان استعمال کیے گئے ہیں۔

۶۔ نسخۂ افضل المطابع محمدی ——— : یہ ناقص الآخر نسخہ ہے۔ صحتِ کتابت اور حُسنِ طباعت کے لحاظ سے شاید یہ سب سے اچھا نسخہ ہے۔ مسطر پچیس سطری چہار کالمی ہے۔ سرورق پر "در مطبع افضل المطابع محمدی رونق طبع یافت" مرقوم ہے۔ سالِ طبع یہاں مندرج نہیں۔

۷۔ نسخۂ مطبعِ تیغ بہادر لکھنؤ ——— : اِس اڈیشن میں سالِ طباعت مرقوم نہیں۔ سرورق کی عبارت یہ ہے: "مثنوی/ بہارِ عشق/ مصنفۂ/ جناب نواب مرزا صاحب شوق لکھنوی مرحوم و مغفور/ حسب فرمائش ظہور احمد تاجر کتب/ با ہتمام نور احمد مالک مطبع/ محمد تیغ بہادر سبحان نگر لکھنؤ۔ قیمت فی جلد ....." قیمت کے اعداد مٹے ہوئے ہیں۔ خاتمت الطبع کی عبارت موجود نہیں۔ معمولی نسخہ ہے، بس خاص بات یہ ہے کہ مثنوی اِس شعر پر ختم

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:14
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کر کے آپس میں اِس طرح کے کلام بھیجے شادی کے پھر پیام و سلام

اِس کے بعد کا یہ شعر:

تھی جو قسمت میں ہونی آبادی ہو گئی دھوم دھام سے شادی

اِس میں موجود نہیں۔ اِسی طرح "ترغیبِ عشقِ حقیقی" کے تحت جو اشعار دوسرے نسخوں میں ملتے ہیں، وہ بھی اِس میں موجود نہیں۔ نسخۂ ص اور نسخۂ م سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ کئی شعر اور بھی اِس نسخے سے غائب ہیں اور اِس لحاظ سے یہ غیر معتبر نسخہ ہے۔ اغلاطِ کتابت بھی کم نہیں۔ مسطر اٹھارہ سطری ہے۔ ص ۴۵ کی گیارھویں سطر پر مثنوی ختم ہو جاتی ہے۔ اُس کے نیچے جلی قلم سے "تمام شد" لکھا ہوا ہے۔ یہ نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہے اور اُس کا عکس میرے سامنے ہے۔

۸۔ نسخۂ شاہ عبدالسلام ——— : فریبِ عشق کے مطبوعہ نسخوں کے تعارف کے تحت شاہ عبدالسلام کے مرتب کیے ہوئے کلیاتِ شوق کا حوالہ آچکا ہے؛ بہارِ عشق بھی اُس میں شامل ہے۔ شاہ صاحب کے مرتب کیے ہوئے اِس متن اور دونوں بنیادی نسخوں [مطبوعہ ۱۲۶۶ھ، ۱۲۶۸ھ] کے متن میں بہت سے اختلافات ملتے ہیں۔ یہ ایسے اختلافات ہیں جنھوں نے اُن کے پیش کیے ہوئے متن کو غیر معتبر بنا دیا ہے۔ طوالت کی بنا پر یہاں اُن کی تفصیل پیش کرنا غیر مناسب ہوگا۔ ضمیمۂ تشریحات میں ہر شعر کے تحت ایسی تفصیلات ملیں گی۔ اِس نسخے کے لیے "ع" بہ طورِ نشان استعمال کیا گیا ہے۔

زہرِ عشق :

۱۔ اِس مثنوی کے چھے نسخے پیشِ نظر ہیں۔ قدیم ترین مطبوعہ نسخہ جو میرے علم میں ہے، وہ ۱۸۶۲ء/۱۲۷۸ھ کا چھپا ہوا ہے۔ اِس کے سرورق کی عبارت یہ ہے:

"خدای خالق دو جہاں کی توفیق سے / مثنوی زہرِ عشق / مطبع شعلۂ طور
کانپور میں رونق گزین طبع ہوئی۔"

آخر میں مختصر سی عبارتِ خاتمہ ہے:

"تمت / الحمدللہ والمنہ کہ مثنوی زہرِ عشق بتاریخ بست و نہم جنوری ۱۸۶۳ء/

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:15
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

بمطبع شعلۂ طور کانپور باہتمام شیخ عبداللہ/ پرنٹر کارخانہ مذکور حلیہ طبع پوشید۔"

عطاءاللہ پالوی نے تذکرۂ شوق میں لکھا ہے :

"زہرِ عشق کے جس سب سے قدیم مطبوعہ نسخے کا پتا ملتا ہے، وہ ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء کا چھپا ہوا ہے اور غالباً یہی نسخہ یورپ پہنچا تھا، جس کا ذکر گارساں دتاسی نے اپنے اٹھارویں خطبے مورخہ ۷ دسمبر ۱۸۶۸ء میں کیا ہے" [ص ۹۱]۔

شاہ عبدالسلام نے اپنے مرتبہ کلیات کے مقدمے میں لکھا ہے :

"سب سے قدیم اڈیشن کا حوالہ گارساں دتاسی نے ۱۸۶۲ء کا مطبوعہ بتایا ہے۔ غالباً سب سے پہلا اڈیشن یہی ہوگا، مگر آج تک مذکورہ نسخے کا منظرِ عام پر آنا ثابت نہیں ہوا" [ص ۲۹]

شاہ صاحب نے بہ ظاہر پالوی صاحب کے لکھے کو دُہرا دیا ہے حوالے کے بغیر۔ اگر وہ حوالہ دے دیتے، تو اُس سے یہ فائدہ ہوتا کہ غلط بیانی کا الزام اُن پر نہ آتا۔ اُنھوں نے اگر گارساں دتاسی کے اُس خطبے کو دیکھا ہوتا، یا دیکھ لیا ہوتا، تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ دتاسی نے ایسی کوئی بات لکھی ہی نہیں۔ جس خطبے کا پالوی صاحب نے حوالہ دیا ہے، اُس میں دتاسی نے یہ لکھا ہے :

"اردو کتابیں جو مجھے موصول ہوئی ہیں یا جنھیں میں نے پڑھا ہے، اُن میں..... مثنوی زہرِ عشق اور چراغِ ہدایت بھی قابلِ ذکر ہیں۔ اوّل الذکر باتصویر شائع ہوئی ہے۔ ثانی الذکر....." [خطباتِ گارساں دتاسی، انجمن ترقیِ اردو اورنگ آباد (دکن) ۱۹۳۵ء۔ اٹھارواں خطبہ، ص ۱۶۷]۔

دتاسی نے کسی سنہ کا حوالہ نہیں دیا۔ اُس نے ایک باتصویر نسخے کا ذکر کیا ہے۔ معلوم نہیں وہ کون سا نسخہ تھا۔ ۱۸۶۲ء کا جو نسخہ میرے سامنے ہے، وہ باتصویر نہیں۔ معلوم نہیں پالوی صاحب نے یہ بے بنیاد بات کیوں لکھی۔ اِس وقت تک کی صورتِ حال یہ ہے کہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:15
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

مطبعِ شعلۂ طور کان پور کے محولۂ بالا نسخہ مطبوعہ سے پہلے کا کوئی مطبوعہ نسخہ سامنے نہیں آسکا ہے۔ اِسے یقین کے ساتھ اور قطعیت کے ساتھ اشاعتِ اوّل تو قرار نہیں دیا جاسکتا، یوں کہ ایسی کوئی شہادت موجود نہیں ؛ لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اب تک اِس سے پہلے کے کسی نسخے کا احوال کسی کو معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ اگر [ایک قول کے مطابق] اِس مثنوی کا سالِ تصنیف ۱۲۷۷ھ مان لیا جائے ، تو اُس صورت میں یہ اُس سے قریب تر اشاعت ہوگی۔

ہندستان اور پاکستان میں اِس کان پوری اشاعت کے کسی دوسرے نسخے کا موجود ہونا معلوم نہیں ؛ اِس سے اِس نسخے کے نایاب کی حد تک کم یاب ہونے کا بہ خوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ مکمل نسخہ ہے۔ کتابت کی غلطیاں کم سے کم ہیں۔ مسطر انیس۱۹ سطری ہے۔ کُل مکتوبہ صفحات اکتیس۳۱ ہیں۔ ص ۳۱ کی پندرھویں سطر پر مثنوی ختم ہو جاتی ہے۔ اُس کے بعد ایک سطر کے درمیان "تمت" لکھا ہوا ہے اور اُس کے بعد عبارتِ خاتمت الطبع ہے، جسے نقل کیا جا چکا ہے۔ املا کی وہ سب خصوصیات اِس میں بھی ہیں جن کا حوالہ فریبِ عشق کے نسخۂ مطبعِ آغا جان کے تحت دیا جا چکا ہے۔ اِس نسخے کے لیے "ش" بہ طورِ نشان استعمال کیا گیا ہے۔

محض احتیاطاً یہ وضاحت شاید بے جا نہ ہوگی کہ پالوی صاحب کی عبارت میں اِس نسخے کے سالِ طبع کے سلسلے میں عیسوی سنہ کی ہجری سنہ سے مطابقت صحیح طور پر نہیں کی گئی۔ اِس میں دو باتیں محلِ نظر ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ پالوی صاحب نے پہلے ہجری سنہ لکھا ہے اور پھر اُس کی مطابقت عیسوی سنہ سے کی ہے۔ حالاں کہ اِس نسخے میں صرف عیسوی سنہ مرقوم ہے۔ چوں کہ ہجری اور عیسوی سنین میں فرق ہوتا ہے ، اِس بنا پر اگر پہلے ہجری سنہ لکھا جائے گا تو عیسوی سنہ مطابقت میں آئے گا یوں اِس کا امکان رہے گا کہ پہلے اگر عیسوی سنہ لکھ دیا جائے تو ہجری سنہ بدل جائے۔ مثلاً اِسی سنہ کو لیجیے۔ مہینا اور تاریخ معلوم نہ ہونے کی صورت میں اگر عیسوی سنہ کو پہلے لکھا جائے تو ہجری سنہ سے اُس کی مطابقت اِس طرح ہوگی ؛ ۱۸۶۲ء مطابق ۷۹ ــ ۱۲۷۸ھ۔ اگر ہجری سنہ پہلے لکھا جائے [جس طرح

101
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

پالوی صاحب نے لکھا ہے] اُس صورت میں ۱۲۷۹ھ مطابق ۶۳-۱۸۶۲ء لکھا جائے گا اور اِس طرح ایک عیسوی سنہ کا تعین ختم ہو جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر تاریخ معلوم ہے، تو اُس صورت میں مطابقت کے لیے صرف ایک سنہ لکھا جائے گا۔ یہاں تاریخ [۲۹ جنوری] معلوم ہے، اِس لیے ایک ہجری سنہ لکھا جائے گا، یعنی ۱۲۷۹ھ۔ پالوی صاحب کی تحریر سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہے کہ اِس کان پوری اشاعت کو تو اُنھوں نے دیکھا نہیں تھا، مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اِس نسخے سے متعلق اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ کہاں سے ماخوذ ہے۔ تطبیقِ سنہ کی یہ غلطی بھی اِسی وجہ سے ہوئی کہ اصل نسخہ دیکھا نہیں [کیوں کہ وہ دسترس میں نہیں تھا] اور جس ماخذ سے کام لیا ہے، اُس کا حوالہ نہیں دیا اور اُس پر غور نہیں کیا گیا۔

۲۔ نول کشوری اڈیشن ——— : مثنوی فریبِ عشق کے مطبوعہ نسخوں کے بیان کے تحت نول کشوری مجموعۂ مثنویات [سالِ طبع ۱۸۷۱ء] کا حوالہ آ چکا ہے۔ زہرِ عشق بھی اُس مجموعے میں شامل ہے۔ ضمیمۂ تشریحات میں نول کشوری نسخے کے حوالے آئے ہیں اور ضروری اختلافات کو درج کیا گیا ہے۔

۳۔ نسخۂ نظامی بدایونی ——— : نظامی پریس بدایوں کا چھپا ہوا جو نسخۂ زہرِ عشق میرے سامنے ہے، سرورق کی صراحت کے مطابق یہ دوسری اشاعت ہے۔ سالِ طبع ۱۹۲۰ء۔ اِس کے شروع میں نظامی کا دیباچہ شامل ہے، جس کے آخر میں "۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء" مندرج ہے۔ اِس سے بہ آسانی یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ پہلا اڈیشن ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا ہوگا۔ چھوٹے سائز [اصطلاحاً: پاکٹ سائز] کے کُل چھتیس ۳۶ صفحے ہیں۔ مثنوی ص پانچ ۵ سے شروع ہوتی ہے اور صفحہ پینتیس ۳۵ پر ختم ہو جاتی ہے۔ ص چھتیس ۳۶ پر اِس مطبعے کی مختلف کتابوں کا اشتہار ہے۔ تعدادِ اشعار اور صحتِ متن کے لحاظ سے تو یہ ویسا ہی معمولی اور کم درجہ اڈیشن ہے جیسے اِس مثنوی کے اور بہت سے اڈیشن شائع ہوئے ہیں؛ اِس کی اہمیت اِس وجہ سے ہے کہ اِس کے دیباچے میں نظامی بدایونی نے اِس مثنوی کی منعِ اشاعت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور اُس گورنمنٹ آرڈر کا حوالہ دیا ہے جس کے مطابق، بہ قول اُن کے، وہ ممانعت منسوخ کی گئی اور منسوخی کے بعد اُنھوں نے اِس کا پہلا اڈیشن [۱۹۱۹ء میں]

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:15
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

شائع کیا [اِس پر مفصل بحث "منعِ اشاعت" کے عنوان کے تحت کی گئی ہے]۔

اِس نظامی اڈیشن کا مسطر اُنتیس سطری ہے۔ اِس میں متعدد الحاقی شعر بھی شامل ہیں اور بعض معتبر شعر شامل نہیں۔ ضمیمۂ تشریحات میں اِس سے متعلق مکمل تفصیلات ملیں گی۔ نظامی نے اپنے دیباچے میں یہ نہیں بتایا کہ اُنھوں نے اِس مثنوی کے کس نسخے [یا نسخوں کو] اپنے متن کی بنیاد بنایا ہے اور زائد شعر اُن کو کہاں ملے۔

اِس اڈیشن کی دوسری اہمیت یہ ہے کہ اِس میں پہلی بار اِس مثنوی کا سنۂ تصنیف (۱۲۷۷ھ) بتایا گیا ہے اور ذاکر بدایونی کے ایک قطعے کا حوالہ دیا گیا ہے جس کے مطابق "غمِ دل رُبا" مادۂ تاریخِ تصنیف ہے۔ اِس کی بحث "مثنویات کا زمانۂ تصنیف" کے تحت ملے گی۔

نسخۂ نظامی کی اشاعتِ اوّل [۱۹۱۵ء] بہت سی تلاش کے باوجود مجھے نہیں ملی۔ دوسری اشاعت [۱۹۲۰ء] پیشِ نظر ہے۔ یہ بھی کم یاب ہے۔ مجتبیٰ شمس الرحمان فاروقی کے پاس اِس اشاعت کا نسخہ تھا، اُنھوں نے ازراہِ لُطف اُس کا عکس بھیج دیا۔ اُس کے بعد اصل نسخہ عزیزی سیّد عرفان زیدی نے کہیں سے تلاش کر کے بھجوا دیا۔ اِس طرح اِس کم یاب اشاعت کے دو نسخے یک جا ہو گئے۔ اِس نسخے کے لیے "ن" بہ طورِ نشان استعمال کیا گیا ہے۔

۴۔ نسخۂ مجنوں گورکھپوری ——— : اِس کے سرورق پر یا آخر میں کہیں بھی سنۂ طباعت مندرج نہیں۔ مجنوں صاحب کے مقدمے کے آخر میں "۳ ستمبر ۱۹۳۰ء" لکھا ہوا ہے، اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ میں نے اِسی بنا پر یہ فرض کر لیا ہے کہ یہ نسخہ ۱۹۳۰ء کے اواخر میں شائع ہوا ہو گا۔ متن کے لحاظ سے بے حد معمولی، بل کہ یوں کہوں کہ غیر معتبر نسخہ ہے، یوں تدوین کے نقطۂ نظر سے اِس کی کچھ حیثیت نہیں۔ اِس کی جو کچھ بھی اہمیت ہے، وہ محض اِس وجہ سے ہے کہ اِس مثنوی سے متعلق احسن لکھنوی نیاز فتح پوری اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے مضامین یک جا مل جاتے ہیں۔ ویسے اِن مضامین سے استفادہ دشوار ہوتا۔ خود مجنوں کا مفصل مضمون بہ طورِ مقدمہ شاملِ کتاب ہے۔ اِسی بنا پر اِس نسخے کو سامنے رکھا گیا ہے۔ متن کے سلسلے میں مجنوں صاحب نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے :

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:15
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

"مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ باوجود سعی و جستجو کے زہرِ عشق کا کوئی پُرانا قلمی نسخہ نہ مل سکا۔ مجبوراً چند معمولی قلمی نسخوں اور چھپے ہوئے نسخوں کو ملاکر تصحیح و ترتیب کے بعد مثنوی کو شائع کر رہا ہوں" [ص ۳۸]۔

اب یہ نسخہ بھی کم یاب ہوتا جارہا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین کے پاس یہ محفوظ تھا، اُنھوں نے اُسے میرے پاس بھیج دیا۔ اِس طرح میں تلاش کی زحمت سے بچ گیا۔ ہاں اِس نسخے میں کئی رنگین تصاویر شامل ہیں۔ تعداد یوں نہیں لکھ سکتا کہ اِس کا امکان ہے کہ ایک دو تصویریں کم ہوگئی ہوں۔ [رنگین تصویریں شاملِ کتاب ہوں، تو کبھی کبھی ایسا ہوجایا کرتا ہے۔ اقبال کا شعر یاد آگیا:

اُڑائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گُل نے — چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری]

۵۔ نسخۂ شاہ عبدالسلام ——— : شاہ عبدالسلام کے مرتبہ کلیاتِ شوق کا حوالہ اِس سے پہلے آچکا ہے۔ زہرِ عشق بھی اُس میں شامل ہے۔ بہ لحاظِ متن اِس نسخے کو معتبر نہیں کہا جاسکتا۔ اُنھوں نے فریبِ عشق کے بیان میں لکھا ہے کہ ۱۸۶۹ء کا نول کشوری مجموعۂ مثنویاتِ شوق اُن کے سامنے رہا ہے [ص ۲۲]۔ اِس کا بہ ظاہر مطلب یہی ہے کہ اُنھوں نے متن کی بنیاد اُسی کو بنایا ہے؛ مگر اُن کے نسخۂ زہرِ عشق میں ایسے شعر بھی شامل ہیں جو معتبر نسخوں میں نہیں ملتے اور نول کشوری اشاعت ۱۸۷۶ء میں بھی شامل نہیں۔ متن کے اختلافات بھی ہیں۔ ضمیمۂ تشریحات میں ایسی جملہ تفصیلات لکھی گئی ہیں۔ اشعار کی کمی بیشی سے متعلق کچھ ضروری باتیں "اشعار کی کمی بیشی" کے عنوان کے تحت بھی ملیں گی۔ اِس نسخے کے لیے "ع" بہ طورِ نشان استعمال کیا گیا ہے۔

۶۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ سے اِس مثنوی کے ایک مطبوعہ نسخے کا عکس موصول ہوا جس پر سنہِ طباعت کہیں مندرج نہیں۔ سرورق پر اِس کا نام "زہرِ عشق باتصویر" لکھا ہوا ہے اور اُس کے نیچے صرف یہ عبارت ہے: "در مطبع نامی گرامی طبع شد"۔ آخر میں خاتمے کی کوئی عبارت نہیں۔ تصویریں معمولی درجے کی ہیں۔ کُل چونسٹھ صفحات ہیں۔

104
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:15
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

سطر گیارہ سطری ہے۔ قلم معمول کے مقابلے میں جلی ہے۔ ہر صفحے کے حاشیے پر گل کاری ملتی ہے۔ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اِسے بہت اہتمام کے ساتھ چھاپا گیا ہے۔ صحتِ متن کے لحاظ سے یہ اچھا نسخہ ہے۔ اِس میں کوئی غیر معتبر شعر شامل نہیں۔ اِس کے لیے لفظِ "نامی" بہ طورِ نشان استعمال کیا گیا ہے۔

ذیلی عُنوانات فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق؛ اِن تینوں مثنویوں کے جو قدیم نسخے میرے سامنے ہیں، اُن میں سے کسی میں ذیلی عُنوانات موجود نہیں۔ بہارِ عشق کے پہلے اڈیشن [سلطان المطابع ۱۲۶۶ھ] میں بھی کوئی ذیلی عنوان نہیں۔ اِس کے دوسرے اڈیشن میں، جو مصنف کی نظرِ ثانی کے بعد شائع ہوا تھا [مطبعِ محمدی ۱۲۶۸ھ] اُس کے آخر میں "ترغیبِ عشقِ حقیقی" کے عنوان سے ۲۳ اشعار کا اضافہ کیا گیا۔ یہ عنوان خود مصنف [شوق] کا قائم کیا ہوا ہے۔ اِس ایک عنوان کے سوا کوئی دوسرا عنوان اِس نسخے میں نہیں پایا جاتا۔

اِن مثنویوں کے جو موقر نسخے پیشِ نظر ہیں، اُن میں سے زہرِ عشق کے نسخۂ نظامی (سالِ طبع ۱۹۳۰ء) نسخۂ مجنوں گورکھپوری [سالِ طبع غالباً ۱۹۳۰ء] میں متعدد ذیلی عنوانات موجود ہیں۔ شاہ عبدالسلام کے مرتبہ کلیات میں شوق کی تینوں مثنویاں شامل ہیں [سالِ طبع ۱۹۷۸ء]۔ اِن تینوں مثنویوں میں بھی ذیلی عنوانات موجود ہیں۔ مجنوں نے زہرِ عشق کے دیباچے میں لکھا ہے:

> "مثنوی میں جو عنوانات ہیں، اُن میں کچھ ترمیم کی گئی ہے۔ مثلاً عام نسخوں میں "رخصتی ملاقات کا پہلا موقع"، "رخصتی ملاقات کا دوسرا موقع" اور پھر "رخصتی ملاقات" کے عنوان ملیں گے۔ میں نے اِن سب کو ملا کر رخصتی کا ایک عنوان رکھا ہے..... بعض نسخوں میں "چغلی کھانا ایک عورت کا دُختر کے والدین سے" کی بھی ایک سُرخی ہے، لیکن بعض نسخوں میں اِس کا اشارہ تک نہیں ہے۔ میں نے بھی اِس ٹکڑے کو نکال دیا ہے۔" [زہرِ عشق، مجنوں اڈیشن، ص ۳۹]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:16
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

جس قدر ذیلی عنوانات موخر نسخوں میں ملتے ہیں، اُن کا مصنف سے کچھ تعلق نہیں۔ اُنھیں مختلف مطبع والوں نے یا ایسے مرتبین نے شامل کیا ہے جنھیں تحقیق سے کوئی علاقہ نہیں۔

جدید نسخوں میں سے اگر زہرِ عشق کے مجنوں اڈیشن میں ذیلی عنوانات موجود ہیں، تو مجھے اُس پر تعجب نہیں؛ یوں کہ مجنوں صاحب کے مزاج کو تحقیق سے دور کی بھی مناسبت نہیں تھی۔ تعجب ہے شاہ عبدالسلام کے طریقِ کار پر، خاص کر یوں کہ اُنھوں نے اپنے مرتبہ کلیاتِ شوق کے دیباچے میں یہ صراحت کر دی ہے کہ ۱۸۷۹ء کا شائع شدہ مثنویات کا نول کشوری اڈیشن پیشِ نظر ہے [ص ۱۸]۔ نول کشور پریس سے یہی مجموعہ دوبارہ ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا تھا، اُس میں ذیلی عنوانات موجود نہیں۔

مثنوی زہرِ عشق کے نسخہ ہائے نظامی بدایونی، مجنوں گورکھپوری اور شاہ عبدالسلام [مشمولہ کلیاتِ شوق] میں شامل ذیلی عنوانات کی تفصیل یہ ہے:

(۱) نسخۂ نظامی بدایونی: دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اور آخری وصیت، آخری ملاقات۔ لڑکی کے غم میں والدین کی پریشانی کا منظر، جنازے کا نظارہ، عالمِ تنہائی میں قبر پر گریہ وزاری۔ عاشق کی سخت جانی اور قصے کا خاتمہ [کُل چھے عنوانات]۔

(۲) نسخۂ مجنوں: حمد، نعت، منقبت، بیانِ عشق، آغازِ داستاں، نامۂ معشوقہ نامۂ عاشق، جوابِ نامۂ عاشق، دو مہینے بعد معشوقہ کا پھر آنا، رخصتی ملاقات، جوابِ عاشق کا، جوابِ معشوق کی طرف سے، رخصتی ملاقات، معشوقہ کا جنازہ۔ [کُل چودہ ۱۴ عنوانات]۔

(۳) نسخۂ شاہ عبدالسلام: حمد، نعت، منقبت، بیانِ عشق، آغازِ داستاں، نامۂ معشوق، نامۂ عاشق، جوابِ نامۂ عاشق، دو مہینے کے بعد معشوقہ کا پھر آنا، دُنیا کی بے ثباتی اور آخری وصیت، عاشق کا جواب، جوابِ معشوق کی طرف سے، رخصتی ملاقات، معشوقہ کا جنازہ، خواب۔ [کُل پندرہ ۱۵ عنوانات]۔

اِن تینوں مرتبین میں سے کسی نے یہ صراحت نہیں کی کہ اُن کے پیشِ نظر مطبوعہ نسخوں میں کون کون سے عنوانات تھے۔ میرے لیے یہ متعین کرنا ممکن نہیں کہ اِن میں سے کتنے عنوانات

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:16
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

مختلف نسخوں سے منقول ہیں اور کن عنوانات کا اضافہ مرتبین نے کیا ہے۔ جو بھی صورت ہو، تدوین کے نقطۂ نظر سے ایسے اضافوں کو قابلِ قبول نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ پھر عرض کر دوں کہ شوق کی تینوں مثنویوں میں سے کسی ایک مثنوی کے پرانے اور معتبر نسخوں میں [بہارِ عشق کے "ترغیبِ عشقِ حقیقی" کے ایک عنوان کے سوا] کوئی عنوان نہیں پایا جاتا۔ یہ سب بعد والوں کے اضافے ہیں اور ناقابلِ قبول۔

یہاں ضمنی طور پر یہ عرض کروں کہ دوسرے کے کلام پر اپنے پسندیدہ عنوانات چسپاں کرنے کی سب سے بڑی مثال کلیاتِ قلی قطب شاہ میں ملتی ہے ["سب سے بڑی مثال" عنوانات کی کثرت کے اعتبار سے لکھا گیا ہے] اس کلیات کو سب سے پہلے ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے مرتب کیا تھا۔ اس کا واحد خطی نسخہ حیدر آباد میں ہے۔ حیدر آباد کے زمانۂ قیام میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے اُسے دیکھا تھا۔ میرے استفسار پر اُنھوں نے مطلع کیا:

> "آپ نے محمد قلی قطب شاہ کے سلسلے میں میرے جس قول کا حوالہ دیا ہے، وہ میری مرتب کردہ تالیف "محمد قلی قطب شاہ: حیات اور شاعری" شائع کردہ ساہتیہ اکیڈمی دہلی کے دیباچے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ امرِ واقعہ ہے کہ محمد قلی کے اصل دیوان میں غزل کی ہیئت میں تمام نظمیں ہیں، جنھیں عنوانات ڈاکٹر زور نے عطا کیے ہیں" [مکتوب بہ نامِ راقم الحروف]۔

زور صاحب ہوں یا دوسرے لوگ، یہ عنوان تراشی کسی کے لیے جائز نہیں ہو سکتی اور اس طریقِ کار کو قطعی طور پر ناقابلِ قبول قرار دیا جائے گا۔

ہیروئنوں کے نام

جس طرح مثنویوں میں ذیلی عنوانات کا اضافہ کیا گیا، اُسی طرح شوق کی تینوں مثنویوں کی ہیروئنوں کے نام بھی رکھ لیے گئے۔ اِن مثنویات سے متعلق جو تحریریں میرے سامنے ہیں، اُن کے مطابق اِس سلسلے میں مجنوں گورکھپوری نے پہل کی ہے:

"ماہ جبیں [میں نے اِس کو لڑکی کا نام سمجھ لیا ہے] کی داستانِ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:16
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

محرومی کو میں نے بھی اُسی عمر میں پڑھا، جس میں لوگ عموماً پڑھا کرتے ہیں" [زہرِ عشق، مجنوں اڈیشن، ص ۱۰]۔

اس عبارت سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ "مہ جبیں" مجنوں صاحب کا رکھا ہوا نام ہے، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ایسا کیوں کیا گیا۔

لفظ "ماہ جبیں" اور اِس کا مخفف "مہ جبیں" مثنوی زہرِ عشق میں تین جگہ ملتا ہے اور ہر جگہ واضح طور پر بہ طورِ کلمۂ صفت آیا ہے۔ یہ داستانِ غم ایک سوداگر کے ذکر سے شروع ہوتی ہے:

جس محلّے میں تھا ہمارا گھر ⁘ وہیں رہتے تھے ایک سوداگر

اس کے بعد تیسرا شعر ہے:

ایک دُختر تھی اُن کی ماہ جبیں ⁘ شادی اُس کی نہیں ہوئی تھی کہیں

اس شعر میں "ماہ جبیں" کلمۂ صفت کے طور پر آیا ہے، نام کے طور پر نہیں اور اِس میں کسی طرح کے اشتباہ کی گنجایش نہیں۔ مجنوں صاحب نے بہ قولِ خود اِس کلمۂ صفت کو نام سمجھ لیا ہے؛ اگر اُنھوں نے اِس شعر کی بنا پر یہ فرض کیا ہوتا تو "ماہ جبیں" لکھتے، جو اِس شعر میں آیا ہے۔ اُنھوں نے "مہ جبیں" لکھا ہے اور اِس لفظ کی یہ مخفف شکل دو شعروں میں ملتی ہے۔ پہلا شعر یہ ہے، جس میں زہرِ عشق کے ہیرو کی ماں اپنے بیٹے سے پوچھتی ہے:

یہ کہو، مہ جبیں ملا ہے کون؟ ⁘ تم کو ایسا حسیں ملا ہے کون؟

صاف طور پر یہ لفظ بہ طورِ صفت آیا ہے۔ دوسرا شعر جس میں "مہ جبیں" آیا ہے، یہ ہے:

غیرتِ حور، مہ جبیں نہ سہے ⁘ ہیں مکاں گر، تو وہ مکیں نہ رہے

یہ خود زہرِ عشق کی ہیروئن کا قول ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ مجنوں صاحب نے پہلے شعر [ایک دُختر تھی اُن کی ماہ جبیں....] ہی کی بنیاد پر اِس کلمے کو نام مان لیا ہے۔ شعر میں تو "ماہ جبیں" آیا ہے؛ لیکن زبانوں پر "مہ جبیں" زیادہ آتا ہے، خاص کر نام کے طور پر

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:16
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

حیاتِ شوق میں پروفیسر آلِ احمد سرور کی کتاب "تنقیدی اشارے" کی یہ عبارت ایک جگہ نقل کی گئی ہے :

"مہ جبیں میں کم اور مہ لقا میں زیادہ ہمیں طوائف کی جھلک نظر آتی ہے۔" [ص ۲۹۹]

یعنی سرور صاحب نے بھی "مہ جبیں" کو زہرِ عشق کی ہیروئن کا نام مانا ہے۔ مجنوں صاحب نے تو صراحت کر دی تھی کہ اِسے نام میں نے سمجھ لیا ہے، مگر سرور صاحب کی عبارت میں ایسی کوئی صراحت نہیں، اِس وجہ سے اُن کی عبارت میں "مہ جبیں" گویا حقیقی نام کے طور پر آیا ہے۔ پڑھنے والا یہی سمجھے گا کہ زہرِ عشق کی ہیروئن کا نام "مہ جبیں" تھا۔ اِس کے ساتھ اُنھوں نے [از خود یا کسی کی تقلید میں] مثنوی بہارِ عشق کی ہیروئن کا نام "مہ لقا" فرض کر لیا ہے اور یہاں بھی پڑھنے والا مبتلائے غلط فہمی ہوگا کہ ایک فرضی نام کو حقیقی نام سمجھے گا۔ لفظِ "ماہ لقا" مثنوی بہارِ عشق کے قصے کے شروع ہی میں اِس شعر میں آیا ہے :

ایک دن جو برائے سیر اُٹھا ∴ دیکھی کوٹھے پہ ایک ماہ لقا

قطعی طور پر واضح ہے کہ اِس شعر میں "ماہ لقا" نام کے طور پر نہیں، کلمۂ صفت کے طور پر آیا ہے۔

ڈاکٹر سید محمد حیدر نے اپنے تحقیقی مقالے حیاتِ شوق میں مہ جبیں، ماہ لقا، مہ پارہ ؛ اِن تین صفاتی کلمات کو حقیقی ناموں کے طور پر استعمال کیا ہے، لیکن اِس صراحت کے ساتھ "ضرورتاً یہاں پر ماہ لقا بہ طور نام کے استعمال کیا جا رہا ہے":

"یہ حقیقت ہے کہ مہ پارہ اور ماہ لقا میں طوائف کی جھلک ہے، لیکن ماہ جبیں غلط راستے پر چلنے کے باوجود غلط نظر نہیں آتی۔"

[حیاتِ شوق، ص ۲۹۹]

لفظِ "مہ پارہ" مثنوی فریبِ عشق کے اِس شعر میں آیا ہے :

خیمہ اِستادہ اک نظر آیا ∴ میں ٹہلتا ہوا اُدھر آیا
دیکھا، اُس میں ہے ایک مہ پارا ∴ خیمہ روشن ہے حُسن سے سارا

109
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:17
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کے لحاظ سے تین ہیروئنوں کے نام [ضرورتاً] تراشں لیے گئے۔ ہم کو یہ بات واضح طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ اصلاً کسی مثنوی کی ہیروئن کا کوئی نام نہیں۔ مہ پارہ، مہ جبیں، ماہ لقا؛ فرضی نام ہیں، اِس کی وضاحت کی جانا چاہیے۔ وضاحت کے بغیر ایسے مفروضات اور ایسی ایجادات سے بہت غلط فہمی پھیلتی ہے۔ اضافے اِسی طرح ہوا کرتے ہیں اور بعد کو وہ خوش گمان حضرات کے طفیل واقعے کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں۔

اشعار کی کمی بیشی

① فریبِ عشق ——— : عطاءاللہ پالوی نے تذکرۂ شوق میں لکھا ہے کہ اِس مثنوی کے "بہت سے نسخے شائع ہوئے ہیں، علاحدہ بھی اور دوسری مثنویوں کے ساتھ بھی، مگر اُن میں زیادہ اختلاف نہیں ہے، اِلّا یہ کہ بعض نسخوں میں مجھے یہ شعر فاضل ملا،

مفت کی جاں کہاں سے لائے کوئی ∴ نقرے بازوں پہ جو گنوائے کوئی

ممکن ہے یہ شعر الحاقی ہو...... بعض نسخے میں یہ شعر بھی نہیں ملتا :

راہ میں بُولتے تو ڈرتی ہوں ∴ دیکھو گھر چل کے کیا میں کرتی ہوں" [ص ۱۱۸].

ان میں سے کوئی شعر الحاقی نہیں۔ یہ دونوں شعر نسخۂ ف [مطبعِ آغا جان۔ ۱۲۷۲ھ] میں موجود ہیں۔ یہ نسخہ تعدادِ اشعار اور متنِ اشعار کے لحاظ سے اصل حیثیت اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ بہارِ عشق اور زہرِ عشق کے مقابلے میں یہ مثنوی علاحدہ سے نسبتاً کم چھپی ہے، اس لیے اِس میں اختلافات کا احوال وہ نہیں جو اُن دونوں مثنویوں میں ملتا ہے، خاص کر زہرِ عشق میں، جو سب سے زیادہ چھپی ہے۔

② بہارِ عشق ——— : اِس مثنوی کے پیشِ نظر نسخوں میں متعدد اشعار کا اختلاف ملتا ہے۔ نسخۂ س [طبعِ اوّل سلطانُ المطابع ۱۲۶۶ھ] میں یہ تین شعر موجود نہیں :

سینے پر دونوں چھاتیاں اَن مُول ∴ اونچی، چکنی، کڑی، کراری، گول [۳۷۲]

دور بھی ہو کہیں یہاں سے نکل ∴ ارے تیری تو ہو گئی یہ مثل [۹۶۳]

جان جانے کی کس خرابی سے ∴ ہاتھ اُٹھے گا نہ اِس رکابی سے [۹۶۴]

110
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:17
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

مصنف نے نظرِ ثانی میں اِن کا اضافہ کیا ہے۔

آغازِ داستاں میں سراپا کے جو اشعار ہیں، اُن میں یہ شعر بھی ہے:

سروِ ساقد، تو گُل سے رُخسارے ∴ شانے، بازو بھرے بھرے سارے

اِس کے بعد طبعِ اوّل میں یہ شعر بھی ہے:

فندقیں، سرخ سرخ کلیاں تھیں ∴ اُنگلیاں، لُوبیے کی پھلیاں تھیں

نسخۂ طبعِ ثانی [محمدی ۱۲۶۸ھ] میں یہ شعر موجود نہیں؛ یعنی نظرِ ثانی میں اِسے حذف کر دیا گیا۔ اِس مثنوی کے جو اَور نسخے پیشِ نظر ہیں، اُن میں بھی یہ موجود نہیں۔

مثنوی کے آخر میں "ترغیبِ عشقِ حقیقی" کے عنوان کے تحت تیئیس شعر ہیں۔ طبعِ اوّل [س] میں یہ موجود نہیں۔ طبعِ ثانی [م] میں شامل ہیں۔ طبعِ ثانی کے آخر میں جو نثرِ خاتمہ ہے، اُس میں صراحت کر دی گئی ہے کہ اِن اشعار کا اضافہ مصنف نے اِسی اشاعت میں کیا ہے۔ نسخۂ مطبعِ تیغ بہادر لکھنؤ میں یہ اشعار شامل نہیں، لیکن پیشِ نظر دوسرے نسخوں میں یہ موجود ہیں۔

اب صورتِ حال یہ ہوئی کہ طبعِ اوّل میں ایک شعر ایسا ہے جو طبعِ ثانی میں نہیں، اور طبعِ ثانی میں چھبیس ۲۶ شعر ایسے ہیں جو طبعِ اوّل میں نہیں [اِن اشعار کا اضافہ مصنف نے نظرِ ثانی کردہ نسخۂ طبعِ ثانی [مطبعِ محمدی ۱۲۶۸ھ] میں کیا ہے۔ اِس طرح طبعِ اوّل [س] میں کُل آٹھ سو ستّرہ ۸۱۷ شعر ہیں اور طبعِ ثانی [م] میں کُل اشعار کی تعداد آٹھ سو بیالیس ۸۴۲ ہے۔ یہ دو شعر:

فرطِ غم سے جگر دو پارا ہے — کس نے ایسا جوان مارا ہے [۵۵۱]

ہم نے تو یہ سنا تھا مرتا ہے — ہاتا پائی یہ کون کرتا ہے [۸۲۵]

س اور م میں موجود ہیں، نول کشوری نسخے اور نسخۂ مطبعِ علوی [خ] میں بھی شامل ہیں؛ لیکن نسخۂ شاہ عبدالسّلام [ع] میں موجود نہیں۔

عام مطبوعہ نسخوں میں بہت سے اختلافات مل جائیں گے۔ مثلاً پالوی صاحب نے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:17
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

دل تمنائے وصلِ او دارد ⁘ چہ بلا مشکل آرزو دارد

"بعض اڈیشن ایسے ہیں، جس میں نظامی پریس کا مصدقہ اڈیشن بھی شامل ہے، جو اِس شعر پر ختم ہو جاتے ہیں:

کر کے آپس میں اِس طرح کے کلام ⁘ بھیجے شادی کے پھر پیام و سلام"

[تذکرۂ شوق، ص ۱۸۹]۔ یعنی اِن نسخوں میں یہ آخری شعر:

تھی جو قسمت میں ہونی آبادی ⁘ ہوگئی دھوم دھام سے شادی

موجود نہیں۔ نسخۂ مطبعِ تیغ بہادر لکھنؤ کا بھی یہی احوال ہے۔ ڈاکٹر حیدر نے مرتضائی پریس آگرہ سے چھپی ہوئی مثنوی کے لیے لکھا ہے کہ وہ بھی اِسی شعر پر ختم ہو جاتی ہے، یعنی آخری شعر [تھی جو قسمت میں .....] اُس میں بھی موجود نہیں [حیاتِ شوق، ص ۱۸۹]۔

عام مطبوعہ نسخوں میں جو بہت سے اختلافات ملتے ہیں، وہ سب قابلِ لحاظ نہیں اور ایسے جملہ اختلافات کا گوشوارہ بنانا ضروری نہیں۔ تعدادِ اشعار اور متنِ اشعار کے لحاظ سے اِس مثنوی کا صرف نسخۂ اشاعتِ ثانی [مطبعِ محمدی ۱۲۶۸ھ] بنیادی نسخے کی حیثیت رکھتا ہے اور نسخۂ طبعِ اوّل [سلطان المطابع ۱۲۶۶ھ] کی حیثیت معاون نسخے کی رہے گی۔ باقی سب نسخے بہ شمولِ نول کشوری اڈیشن ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۳) زہرِ عشق ——— : اِس مثنوی میں اختلافِ اشعار کا تناسب کچھ زیادہ ہے اور یہ بات خلافِ معمول نہیں۔ اُن دونوں مثنویوں کے مقابلے یہ زیادہ چھپی ہے [اور بہ قولِ مجنوں گورکھ پوری: "اردو زبان میں فورٹ ولیم کے بعد جتنی یہ مثنوی پڑھی گئی ہے، شاید ہی کوئی دوسری نظم پڑھی گئی ہو"] اِس لیے اِس میں اختلاف کا تناسب کچھ زیادہ ہونا ہی چاہیے تھا۔ مندرجۂ ذیل تین شعر:

سچ ہے، کس طرح جی اُداس نہ ہو ⁘ کوئی ہم راز بھی جو پاس نہ ہو [۱۳۸۰]

نہ رہا اُس کے رُوکے سے دلِ زار ⁘ جی میں باقی رہا نہ صبر و قرار [۱۳۸۱]

یوں تستی تری کرے گا کون ⁘ میری صورت بھلا مرے گا کون [۱۶۰۲]

نسخۂ ع [مرتبۂ شاہ عبدالسلام، مشمولۂ کلیاتِ شوق] میں موجود نہیں۔ نسخۂ نول کشور میں،

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:17
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

جوشؔ صاحب کا اصل ماخذ ہے، یہ موجود ہیں۔ آخری شعر کا دوسرا مصرع نول کشوری نسخے میں اِس طرح ہے: میری صورت سے پھر مرے گا کون۔

شعر ۱۶۰۲ کے بعد نسخۂ نظامی میں یہ شعر بھی ہے:

کون یوں خوش کرے گا دل تیرا ∴ دل ہے اِس غم سے مضمحل میرا

یہ شعر نسخۂ نول کشور میں بھی ہے، مگر نسخۂ شعلۂ طور کان پور [ش] اور نسخۂ شاہ عبدالسلام [ع] میں موجود نہیں۔ [اِسے شاملِ متن نہیں کیا گیا]۔

دردِ پہلو کچھ ایسا بیر میں ہے ∴ حرکت تک بھی دستِ غیر میں ہے [۱۴۱۹]

یہ شعر نسخۂ نظامی [ن] میں موجود نہیں۔

شعر ۱۴۵۰ کے بعد نسخۂ نظامی میں یہ پانچ شعر بھی ہیں:

لو مری جان جاتی ہوں اب تو — یاد رکھیے گا میری صُحبت کو
جو خُدا پھر ملائے گا تم سے — تو کہوں گی پھر حال آتم سے
سُن کے میں نے دیا یہ اُس کو جواب — نہ کرو دل کو اِس قدر بے تاب
کہتی تم کیا ہو یہ خدا نہ کرے — یہ ستم ہووے کبریا نہ کرے
عمر بھر ہم وفا نہ توڑیں گے — زندگی بھر نہ مُنہ کو موڑیں گے

اِن میں سے شروع کے چار شعر ع میں بھی شامل ہیں [ص ۱۸۰]۔ یہ شعر پیشِ نظر کسی اور نسخے میں موجود نہیں [نسخۂ نول کشور میں بھی نہیں]۔ کسی اناڑی شاعر نے اِن کو بنایا ہے۔ چوتھا مصرع تو بحر سے بھی خارج ہے۔ آخری شعر میں "وفا نہ توڑیں گے" بھی نظر طلب ہے۔ تیسرے شعر کی اصل صورت یہ ہے:

سُن کے میں نے دیا یہ اُس کو جواب ∴ میرے دل کو بس اب کرو نہ کباب [۱۴۱۹]

یہ شعر پیشِ نظر سب نسخوں میں موجود ہے، بہ شمولِ نسخۂ نظامی و شاہ عبدالسلام۔ [نسخۂ نظامی میں دوسرے مصرعے کا پہلا ٹکڑا اِس طرح ہے: دل کو میرے]۔

دوسرے شعر کی اصل شکل یہ ہے:

مجھ پہ یہ دن تو کبریا نہ کرے ∴ تم مرو، میں جیوں، خدا نہ کرے [۱۶۲۲]

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:17
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

آخری شعر بہارِ عشق کے اِس شعر کی مسخ کردہ صورت ہے:

تم تو کہتے تھے منہ نہ موڑیں گے ؞ ساتھ تا حشر ہم نہ چھوڑیں گے [۵۲۹]

مندرجۂ ذیل شعر نسخۂ نظامی [ن] میں موجود نہیں:

دل عجب کچھ مزہ اُٹھاتا تھا ؞ قبر اُس کی گلے لگاتا تھا [۱۸۰۵]

یہ دو[۲] شعر:

تھے جو خود سر جہان میں مشہور خاک میں مل گیا سب اُن کا غرور [۱۳۸۸]
گردشِ چرخ سے ہلاک ہوئے استخواں تک بھی اُن کے خاک ہوئے [۱۳۹۰]

نسخۂ نول کشور میں موجود نہیں۔

نسخۂ نظامی [ن] اور نسخۂ شاہ عبدالسلام [ع] میں مثنوی زہرِ عشق کا آخری شعر یہ ہے:

عشق میں ہم نے یہ کمائی کی ؞ دل دیا، غم سے آشنائی کی

پالوی صاحب نے اِس شعر کے متعلق لکھا ہے:

"تذکرے میں یہ شعر مجھے مصحفی کے ایک جواں مرگ شاگرد نواب جلال الدولہ مہدی علی خاں بہادر مہدی کے نام ملا ہے۔"
[تذکرۂ شوق، ص ۱۲۰]

اُنھوں نے تذکرے کا نام نہیں لکھا۔ ڈاکٹر اکبر حیدری نے مثنویاتِ شوق سے متعلق ایک مضمون میں یہ لکھا کہ یہ شعر مصحفی کے تذکرے ریاض الفصحا، میں ہے۔ اُنھوں نے مہدی کی پوری غزل نقل کر دی، جس کا یہ مطلع ہے۔ غرض کہ یہ شعر [عشق میں ہم نے ....] شوق کا نہیں مہدی کا ہے۔ زہرِ عشق کے قدیم نسخوں میں [بہ شمولِ نسخۂ نول کشور] یہ شعر شامل نہیں۔ یہ بعد کا اضافہ ہے۔ حیاتِ شوق میں اِس شعر کے سلسلے میں ڈاکٹر حیدر نے لکھا ہے:

"نواب مرزا شوق پر اِس سلسلے میں سرقے کا الزام عائد کرنا درست نہیں ہے۔ یقیناً یہ غزل اُس زمانے میں بہت مشہور ہوئی ہوگی اور اِس کے اشعار ہر خاص و عام کی زبان پر ہوں گے ..... لہٰذا اِس کو شوق نے اپنی مثنوی کے آخر میں شامل کر دیا ہوگا۔" [ص ۲۷۴]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:17
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

مقالہ نگار کا یہ خیال قطعی طور پر درست نہیں کہ شوق نے اِس شعر کو مثنوی کے آخر میں شامل کیا ہوگا۔ یہ بعد والوں کی کرم فرمائی ہے۔ نسخۂ مطبعِ شعلۂ طور [۱۸۶۲ء] میں یہ شعر موجود نہیں؛ یہاں تک کہ نول کشوری نسخہ بھی اِس شعر سے خالی ہے۔ حیدر صاحب نے خود ہی اِسی مقالے میں لکھا ہے:

"زہرِ عشق کے شروع سے اب تک اِتنے زیادہ اڈیشن بازار میں آتے رہے جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اِن نسخوں میں صحت کا بہت کم خیال کیا گیا جس سے الفاظ اور اشعار میں فرق آ گیا۔ الحاقی اشعار کی وجہ سے بہت سے نسخے مشتبہ اور مشکوک ہو گئے۔" [ایضاً، ص ۲۶۳]

ایسے ہی مشتبہ اور مشکوک نسخوں میں یہ شعر ملتا ہے۔

عطاء اللہ بالوی نے تذکرۂ شوق میں لکھا ہے: "بعض مطبوعہ نسخے میں منقبت کا یہ شعر:

مدحِ حیدر میں کھولے جو دہن　　اِس سے آگے نہیں ہے جائے سخن

اور وصیت کا یہ شعر:

پھر ملاقات دیکھیں ہو کہ نہ ہو　　آج دل کھول کر گلے مل لو

اور وصیت ہی کے سلسلے میں ہیروئن کے جواب الجواب کا یہ شعر:

نوجِ انسان بے حمیت ہو　　آدمی کیا نہ جس کو غیرت ہو

نہیں پایا جاتا۔ کان پور سے جو نسخے چھپے ہیں، اُن میں بالعموم آغازِ داستاں کے یہ دو شعر:

رُخ پہ گیسو کی لہر آفت تھی　　جو ادا اُس کی تھی، قیامت تھی

سارا گھر اُس پہ رہتا تھا قربان　　روح گر ماں کی تھی تو باپ کی جان

نہیں ملتے۔ کان پور ہی کا چھپا ہوا بعض نسخہ ایسا ہے جس میں نامۂ عاشق کا بھی یہ شعر نہیں پایا جاتا:

ہجر میں مر کے زندگانی کی　　اب بھی پوچھا تو مہربانی کی

مجنوں صاحب نے زہرِ عشق کا جو نسخہ..... شائع کیا ہے اُس میں بھی آغازِ داستاں کے متذکرۂ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:17
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

بالا دونوں شعر نہیں ملتے۔ نیز اُس میں تشویشِ عاشق کے سلسلے کا بھی یہ شعر موجود نہیں ہے:

دل میں کس نے یہ اُس کے بل ڈالا
جو مرے عیش میں خلل ڈالا" [تذکرۂ شوق، ص ۱۲۰]۔

مندرجۂ بالا سب اشعار اِس مثنوی کے بُنیادی نسخے [مطبوعۂ مطبعِ شعلۂ طور کان پور] میں موجود ہیں اور اِس متن میں شامل ہیں۔

تکرار تینوں مثنویوں کے متعدد شعروں میں خیال اور بیان کا اشتراک ملتا ہے۔ لفظوں کا اشتراک کچھ اِس انداز کا ہوتا ہے کہ یادداشت بے اختیار ویسے ہی کسی دوسرے شعر کو دُہرا دیتی ہے۔ مثال کے طور پر اِن چار شعروں کو دیکھیے۔ پہلا شعر فریبِ عشق کا ہے اور دوسرا زہرِ عشق کا۔ تیسرا شعر فریبِ عشق کا ہے اور چوتھا بہارِ عشق کا:

نہ رہی درمیاں میں جب تکرار — ہو گیا وصل بعدِ قول و قرار [۴۰۸]
ہوئے اُس گُل سے وصل کے اقرار — اُٹھ گئی درمیاں سے سب تکرار [۱۴۲۶]

میرے آگے سوا نہ بڑبڑ کر — چل چخے مردوے حواس پکڑ [۲۷۹]
مجھ سے باتیں نہ اب زیادہ بنا — چل چخے مردوے حواس میں آ [۹۳۰]

یا جیسے یہ اشعار۔ اِن میں پہلا اور چوتھا شعر بہارِ عشق کا ہے، دوسرا زہرِ عشق کا ہے اور تیسرا فریبِ عشق کا۔ اِن میں لفظوں کا اشتراک اور مصرعوں کی تکرار توجہ طلب ہے:

گو مجھی پر نہیں ہے یہ اُفتاد — سب کے ماں باپ ہوتے ہیں جلّاد [۱۲۲۱]
کچھ تمھیں پر نہیں ہے یہ اُفتاد — سب کے ماں باپ ہوتے ہیں جلّاد [۱۶۲۹]

کیا چُرایا تھا دم معاذ اللہ — میرے تو ہوش اُڑ گئے واللہ [۳۰۷]
بل بے نقرہ ترا معاذ اللہ — میرے تو ہوش اُڑ گئے واللہ [۸۲۶]

مزید وضاحت کے لیے ایسی بعض اور مثالیں پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ اِن میں پہلا، چوتھا اور چھٹا شعر زہرِ عشق کا اور دوسرا، تیسرا اور پانچواں شعر بہارِ عشق کا ہے:

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

اُس پہ بیدل جو آیا مجبور — رنگ چہرے کا ہو گیا کافور [۱۴۹۵]
دیکھ کر دونوں عارضِ پُر نور — رنگ چہرے سے ہو گیا کافور [۹۳۶]

ہو گئی دل کی ایسی حالت زار — جیسے برسوں کا ہو کوئی بیمار [۱۱۳۳]
ہو گئی پھر تو ایسی حالت زار — جیسے برسوں کا ہو کوئی بیمار [۱۳۲۷]

روتے ہیں سب، نہیں خبر تم کو — کھا گئی کون سی نظر تم کو [۵۵۰]
کچھ نہیں ماں کی اب خبر تم کو — کس کی یہ کھا گئی نظر تم کو [۱۴۵۸]

نیچے تین شعر نقل کیے جاتے ہیں۔ پہلا شعر فریبِ عشق کا ہے، دوسرا بہارِ عشق کا اور تیسرا زہرِ عشق کا۔ اِن تینوں شعروں میں ہر شعر کے دوسرے مصرعے کا لفظی اشتراک بہت دل چسپ ہے۔

ارے چل بیٹھ، اپنا منہ بنوا — ہوش کی لے خبر، حواس میں آ [۲۲۱]
آدمی کے لباس میں آؤ — ہوش پکڑو، حواس میں آؤ [۸۹۱]
سن کے، ماں باپ کیا کہیں گے، بتاؤ — ہوش پکڑو، ذرا حواس میں آؤ [۱۴۰۷]

یہی صورت اِن دو شعروں کی ہے کہ آخری مصرعوں میں لفظوں کی تکرار پر نظر رُک جاتی ہے۔ پہلا شعر فریبِ عشق کا ہے اور دوسرا بہارِ عشق کا :

وہ بھی جاؤں گی گر میں آج کی رات — وہ نہیں ہوگی، تم جو سمجھے ہو بات [۳۸۸]
لاکھ منت کرو، بلائیں لو — وہ نہیں ہوگا، تم جو سمجھے ہو [۹۳۲]

اِس طرح کی مثالیں تو اور بھی پیش کی جا سکتی ہیں، مگر یہاں اِتنی ہی مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ مقصد یہ نہیں کہ ایسی سب مثالوں کو جمع کیا جائے، مقصد یہ ہے کہ اِس نکتے کی طرف اشارہ کر دیا جائے، تاکہ خوش ذوق پڑھنے والے کی نظر ایسے مقامات پر خود رُک جائے۔

پالوی صاحب نے تذکرۂ شوق میں ایسی بہت سی مثالیں جمع کر دی ہیں [ص ۸۲ سے ص ۸۵ تک] اور چند مثالیں حیاتِ شوق میں بھی پیش کی گئی ہیں [ص ۳۸۲، ۳۸۲]۔ پالوی صاحب نے جوشِ بیان ایسی مثالوں کو بھی شامل کر لیا ہے جن میں دراصل اِس انداز کی تکرار

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:18
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

ہی نہیں۔ میں محض نمونے کے طور پر اُن کی پیش کی ہوئی یہ تین مثالیں نقل کرتا ہوں:

گھر نہ جاؤں گی کبریا کی قسم　　یہیں رہ جاؤں گی خدا کی قسم
جان دے دو گی تم جو کھا کر سَم　　میں بھی مر جاؤں گا خدا کی قسم

میں تو ہنستی تھی، تو خیال نہ کر　　اپنے دل میں تو یہ ملال نہ کر
آزماتی تھی تجھ کو کستی تھی　　میں ترے چھیڑنے کو ہنستی تھی

ہم کو پیٹے، سواری گر منگوائے　　ہم کو ہے ہے کرے، جو گھر کو جائے
ہم کو پیٹے، اگر مڑوڑے ہاتھ　　ہم کو کفنائے، گر نہ چھوڑے ہاتھ

اگر محض ایک دو لفظوں کی تکرار سے یہ مان لیا جائے کہ بیان اور خیال کی تکرار ہے، تو پھر اردو کی آدھی شاعری اسی ذیل میں آجائے گی۔ مثلاً "خدا کی قسم" بہت عام کلمہ ہے، اس کی تکرار بھی عام ہے؛ جہاں یہ کلمہ آیا ہے، وہاں دونوں شعروں کا مطلب بالکل الگ الگ ہے، اس لیے ایسے اشعار تکرار کے ذیل میں نہیں آتے۔ پالوی صاحب کی پیش کی ہوئی بہت سی مثالوں میں سے تقریباً آدھی اسی قبیل کی ہیں۔ اس سے قطعِ نظر کرتے ہوئے اس پہلو پر غور کرنا ضروری ہے کہ جن اشعار میں واقعتاً خیال یا بیان کی تکرار ہے، اُس کی وجہ کیا ہے۔ آخر اس کا سبب کیا ہے کہ ذہن مختلف وقفوں میں اپنے ہی پچھلے بیانات کو دُہرانے لگتا ہے۔ چوں کہ اس کا ہر ایک اور موضوع سے مل جاتا ہے، اس لیے میں نے مناسب یہ خیال کیا ہے کہ اُس موضوع کے تحت اس سوال پر غور کیا جائے، اس سے نتیجہ نکالنے میں آسانی ہوگی؛ اسی لیے اس سوال پر "مثنویاتِ شوق کے مآخذ" کے تحت گفتگو کی جائے گی۔

مثنویاتِ شوق کے مآخذ

جس طرح یہ سوال اُٹھا تھا کہ شوق کی مثنویاں کیا اُن کی اپنی سرگذشت ہیں، یعنی اُن مثنویوں کے ہیرو خود شوق ہیں؟ اُسی طرح یہ سوال بھی اُٹھتا ہے کہ کیا شوق نے دوسری مثنویوں سے استفادہ کیا ہے؟ دل چسپ بات یہ ہے کہ میری معلومات کی حد تک اس طرف کبھی سب سے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:18
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

پہلے مولانا حالی نے توجہ کی تھی۔ مقدمۂ شعر و شاعری میں حالی نے جہاں صنفِ مثنوی پر رائے ظاہر کی ہے، وہاں شوق کی مثنویوں کا بھی ذکر آیا ہے، اِس سلسلے میں لکھا ہے:

"یہ بات تعجب سے خالی نہیں کہ نواب مرزا شوق کو، اپنے اسکول کے برخلاف، مثنوی میں ایسی صاف اور بامحاورہ زبان برتنے کا خیال کیوں کر پیدا ہوا؛ کیوں کہ جب سوسائٹی کا رُخ دوسری طرف پھرا ہوتا ہے، تو اُس کے مخالف رُخ بدلنے کے لیے کسی خارجی تحریک کا ہونا ضروری ہے۔ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی خواجہ میر اثر دہلوی نے جو ایک مثنوی لکھی ہے، جس کا نام خواب و خیال رکھا تھا اور جس کی شہرت ایک خاص وجہ سے پورب میں ہوئی تھی، اُس مثنوی میں، جیسا کہ ہم نے اپنے بعض احباب سے سنا ہے، تقریباً ۴۰، ۴۵ شعر اِسی قسم کے ہیں جیسے شوق نے بہارِ عشق میں اختلاط کے موقعے پر اُن سے بہت زیادہ لکھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے شوق کو ایسی صاف زبان برتنے کا خیال اُس مثنوی کو دیکھ کر پیدا ہوا اور چوں کہ وہ ایک شوخ طبع آدمی تھا اور بیگمات کے محاورات پر بھی اُس کو زیادہ عبور تھا، اُس نے اپنی مثنوی کی بنیاد خواب و خیال کے اُٹھی ۴۰، ۴۵ شعروں پر رکھی اور اُن معاملات کو جو خواجہ میر اثر کے ہاں ضمناً مختصر طور پر بیان ہوئے تھے، اپنی مثنوی میں زیادہ وسعت کے ساتھ بیان کیا اور جس قسم کے محاوروں کی اُنھوں نے بنیاد قائم کی تھی، شوق نے اُس پر ایک عمارت چُن دی۔ اِس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ خواب و خیال کے اکثر مصرعے اور شعر، تھوڑے تھوڑے تفاوت سے بہارِ عشق میں موجود ہیں، جن میں سے ایک دو شعر ہم کو بھی یاد ہیں؛ مگر اِس میں شک نہیں کہ موجودہ حالت میں خواب و خیال کو بہارِ عشق سے کچھ نسبت نہیں۔"

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:18
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

ں عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ میر اثر کی مثنوی خواب و خیال حالی کی نظر سے نہیں
ذری[1] تھی۔ اُنھوں نے اُس کے متعلق اپنے احباب سے سنا تھا کہ بہارِ عشق میں اختلاط کے
وقعے پر شوق نے جیسے شعر لکھے ہیں، اُسی انداز کے ۴۰، ۵۰ شعر خواب و خیال میں بھی ہیں۔
جن میں سے ایک دو شعر ہم کو یاد بھی ہیں" اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن احباب نے کچھ شعر
سنائے تھے، جن میں سے ایک دو شعر اُن کو یاد رہ گئے؛ لیکن اِس عبارت کے ساتھ
نھوں نے بہ طورِ مثال کوئی شعر نہیں لکھا؛ البتہ اِس سے ذرا پہلے، جہاں اِس پر گفتگو کی
ہے کہ جو باتیں چھپانے کی ہیں، اُنھیں کھُلم کھُلا بیان کرنا اچھا نہیں، وہاں میر اثر اور
شوق کا ایک ایک شعر لکھا ہے۔ اُن کی عبارت یہ ہے:

"خواجہ میر اثر دہلوی اپنی مثنوی خواب و خیال میں اختلاط کے موقعے پر کہتے ہیں:

ہاتھا پائی میں ہانپتے جانا ∴ کھُلتے جانے میں ڈھانپتے جانا

دوسرے مصرعے میں اِس بات کی کچھ تصریح نہیں کی گئی کہ کیا چیز کھُلتی
تھی اور کس چیز کو بار بار "ڈھانپا جاتا تھا..." اِسی مطلب کو نواب
مرزا شوق نے بہارِ عشق میں اِس طرح ادا کیا ہے:

ہاتھا پائی میں ہانپتے جانا ∴ چھوٹے کپڑوں کو ڈھانپتے جانا

شوق نے اِتنا پردہ تو رکھ لیا ہے کہ لباس کے نام پر اکتفا کی ہے"

---

[1] میر اثر کی مثنوی خواب و خیال پہلی بار مولوی عبدالحق مرحوم کے مقدمے کے ساتھ انجمن ترقی
اردو اورنگ آباد کی طرف سے ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ اِسے مولوی عبدالحق نے مرتب کیا تھا۔ اِس کا
دوسرا اڈیشن ۱۹۵۰ء میں انجمن ترقی اردو کراچی کی طرف سے شائع ہوا۔ مولوی عبدالحق کا وہی مقدمہ
اِس اشاعت میں بھی شامل ہے جو اشاعتِ اوّل میں شامل تھا۔ حالی کا مقدمہ ۱۸۹۳ء میں
چھپا تھا، اُس وقت تک یہ مثنوی غیر مطبوعہ تھی اور کم یاب۔ مولوی صاحب نے اپنے مقدمے میں
لکھا ہے کہ بہت تلاش کے بعد اُن کو اِس کا ایک نسخہ ملا تھا اور دوسرا نسخہ نجیب اشرف ندوی
صاحب نے بھیجا تھا۔ کُل دو نسخے اُس وقت تک ملے تھے۔ اگر حالی کو یہ مثنوی نہیں مل سکی،
تو اِس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، یہ واقعتاً کم یاب تھی۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:18
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

سینے وغیرہ کا نام نہیں لیا، مگر پردہ ایسا باریک ہے کہ اُس میں بدن جھلکتا نظر آتا ہے۔"

مختصر یہ کہ حالی نے احباب سے خواب و خیال کے کچھ اشعار سُن کر یہ رائے قائم کی کہ شوق کی مثنوی بہارِ عشق میں اختلاط کے موقعے پر اِسی انداز کے اُن سے زیادہ شعر ہیں، مگر اِس عبارت کے ساتھ مثال کے طور پر کوئی شعر نہیں لکھا۔ یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کہ کتاب کو دیکھے بغیر محض اُس کے متعلق کچھ سن کر کوئی رائے قائم کرنا صحیح طریقۂ کار ہے اصولاً یہ اعتراض درست ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ حالی نے قطعیت کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی۔ "ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے" لکھ کر اپنی رائے لکھی ہے۔ اِسے اتفاق کہا جائے، حالی کی ذہانت اور سخن فہمی کی اعلا صلاحیت کہ اُن کی یہ رائے غلط نہیں۔ اِس کا امکان ہے کہ خواب و خیال کو وہ دیکھ لیتے تو شاید اپنی رائے کچھ تفصیل کے ساتھ لکھتے۔

اِس سلسلے میں مزید کچھ کہنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دیا جائے۔ عطاء اللہ پالوی نے اپنی کتاب تذکرۂ شوق میں یہ لکھا ہے کہ حالی نے شوق کے ایسے دو شعر پیش کیے ہیں جن کا مضمون میر اثر کے اشعار سے ماخوذ ہے اُن کی عبارت یہ ہے:

"حالی کا یہ خیال، اور اندازہ کہ شوق نے میر اثر کی خواب و خیال کو نمونہ بنایا، تمام مثنویوں کے متعلق تھا، مگر ثبوت میں اُنھوں نے صرف دو شعر پیش کیے تھے جو بہارِ عشق کے تھے" [ص ۲۲۲]۔

معلوم نہیں پالوی صاحب نے یہ کیسے لکھ دیا کہ حالی نے ثبوت کے طور پر دو شعر لکھے تھے۔ حالی نے بہ طورِ ثبوت کوئی شعر نہیں لکھا۔ بہارِ عشق کا جو ایک شعر حالی نے لکھا ہے، وہ ایک دوسری بحث میں پیش کیا گیا ہے، اُس کا اِس بحث سے کچھ تعلق نہیں۔

حالی کی جو عبارت اِس عنوان کے تحت شروع میں نقل کی گئی ہے، اُس میں ایک مقام ضرور محلِ نظر ہے۔ حالی نے یہ جو لکھا ہے کہ: "خواب و خیال کے اکثر مصرعے اور شعر تھوڑے تھوڑے تفاوت سے بہارِ عشق میں موجود ہیں" تو یہ بات کسی بھی لحاظ سے درست

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:18
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

نہیں۔ پہلی بات تو وہی ہے کہ حالی نے خواب وخیال کو دیکھا ہی نہیں تھا، پھر وہ "اکثر مصرعے اور شعر" جیسی بات کیسے لکھ سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اِس میں "اکثر" کا لفظ بات کو بگاڑ رہا ہے، یہ واقعے کے خلاف ہے۔ یہاں اگر "بعض" یا "چند" جیسا کوئی لفظ لکھا جائے، تب مفہوم کی صحیح طور پر ترجمانی ہو سکے گی۔

مجنوں گورکھپوری نے اِسی سلسلے میں لکھا ہے:

"یہ تو مسلّم ہے کہ مرزا شوق نے بہارِ عشق، خواب وخیال کو پڑھ کر لکھی تھی؛ کیوں کہ دونوں مثنویوں میں سراپا اور اختلاط کے اشعار بے طرح مشابہ ہیں؛ لیکن میرا خیال ہے کہ مرزا شوق کی ہر مثنوی میں..... خواب وخیال کے کچھ عناصر موجود ہیں۔"

[نکاتِ مجنوں، کتابستان الٰہ آباد، ص ۱۰۰]

بہارِ عشق میں تو سراپا موجود ہی نہیں۔ ہاں خواب وخیال میں سراپا ہے اور بہ قولِ مولوی عبدالحق، "سراپا میں کوئی عضو نہیں چھوڑا اور اِس دُھن میں وہ حد سے آگے نکل گئے ہیں" [مقدمہ خواب وخیال]۔ بہارِ عشق میں جو اشعار ہیروئن کی تعریف میں ہیں [کُل اٹھارہ شعر] وہ عمومی انداز کے تعریفی اشعار ہیں۔ سراپا بالکل دوسری چیز ہے جس میں محبوب کے مختلف اعضا و اجزائے بدن کی تعریف میں اشعار لکھے جاتے ہیں ایک ایک عضوِ بدن کی صراحت کے ساتھ۔ جب بہارِ عشق میں سراپا موجود ہی نہیں تو یہ کہنا کہ خواب وخیال اور بہارِ عشق کے سراپا کے اشعار بے طرح مشابہ ہیں، کوئی معنی نہیں رکھتا۔

مجنوں صاحب کی جو عبارت اوپر نقل کی گئی ہے، اُسی سلسلۂ بیان میں اُنھوں نے مثنوی خواب وخیال کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

نہ رہا لطف زندگانی کا　　کچھ نہ پایا مزہ جوانی کا

اور لکھا ہے: "اِس وقت بے ساختہ زہرِ عشق کا یہ شعر یاد آرہا ہے:

پھل اُٹھایا نہ زندگانی کا　　نہ ملا کچھ مزہ جوانی کا"

اِس سے اُن کے اِس قول کی پوری طرح تائید ہوتی ہے کہ "مرزا شوق کی ہر مثنوی میں

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:18
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

خواب و خیال کے کچھ عناصر موجود ہیں۔"

مولوی عبدالحق نے مقدمۂ خواب و خیال میں بہارِ عشق اور خواب و خیال کے ایسے چار چار شعر پیش کیے ہیں جو باہم مماثل ہیں اور اُن چار اشعار کی مماثلت کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالا ہے:

"اگر دونوں مثنویوں کے اِس قسم کے اشعار برابر برابر رکھ کر پڑھے جائیں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ مرزا شوق نے خواب و خیال ہی کو اپنا نمونہ بنایا۔"

"خواب و خیال ہی کو اپنا نمونہ بنایا ہے" کا واضح طور پر مطلب یہ ہے کہ مولوی صاحب کے خیال کے مطابق صرف یہی مثنوی شوق کے سامنے تھی اور اِسی مثنوی کو سامنے رکھ کر شوق نے اپنی مثنویاں لکھی ہیں؛ مگر یہ قطعیت اور یہ حد بندی درست نہیں۔ اصل بات تو ٹھیک ہے کہ میر اثر کی مثنوی خواب و خیال شوق کے پیشِ نظر ضرور رہی ہے، لیکن یہ بات درست نہیں کہ اکیلی وہی مثنوی شوق کے سامنے تھی۔

عطاء اللہ پالوی نے اپنی کتاب تذکرۂ شوق میں اِس موضوع پر خاصی تفصیل کے ساتھ اظہارِ خیال کیا ہے۔ پالوی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ شوق نے دراصل مومن کی مثنویوں سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اُنھوں نے اِس بحث کے آخر میں لکھا ہے: "اصل حقیقت یہ ہے کہ مثنویاتِ شوق کا ماخذ مثنویاتِ مومن ہیں" [ص ۲۷۴]۔ پالوی صاحب نے مومن اور شوق کی مثنویوں کے بہت سے اشعار کا تقابلی مطالعہ کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اُن کی یہ دریافت بہت شان دار اور اہم ہے کہ شوق کے سامنے مومن کی مثنویاں رہی ہیں۔ اُنھوں نے اِس سلسلے میں جو اشعار پیش کیے ہیں، اُن سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے؛ لیکن اُن کا یہ خیال کہ شوق نے صرف مثنویاتِ مومن کے اثرات کو قبول کیا ہے، ترمیم طلب ہے۔

اِس سلسلے میں گیان چند جین نے اپنی کتاب میں جس کا نام اردو مثنوی شمالی ہند میں ہے، اِس بحث کو آگے بڑھایا ہے۔ مختلف مثنویوں کے اشعار کا تقابلی مطالعہ کرنے کے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:19
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

بعد اُنھوں نے لکھا ہے :

"حقیقت یہ ہے کہ شوق نے اپنی مثنویوں کا موضوع خود ہی اختراع کیا۔ محض وصل کے بیان میں اُس نے دوسرے شعرا کے کلام کو پیشِ نظر رکھا۔ بہارِ عشق میں میر کے انداز میں توصیفِ عشق بھی ہے۔

یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ شوق نے کسی ایک شاعر سے متاثر ہو کر یہ مثنویاں لکھیں؛ بلکہ اُس نے میر، اثر، مومن اور شاید قلق؛ سب کے شعلے سے اپنا چراغ روشن کیا" [جلدِ دوم، ص ۱۲۱]۔

یہ بیان بہت متوازن اور درست ہے؛ البتہ قلق کی مثنوی کے متعلق اعتماد کے ساتھ یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ وہ بھی شوق کے پیشِ نظر تھی۔ اِس کا قوی امکان ہے کہ مفصل جائزے کے بعد اور قلق کی مثنوی طلسمِ الفت کے زمانۂ تحریر و طباعت کے تعین کے بعد یہ بات سامنے آئے کہ قلق نے شوق سے استفادہ کیا تھا۔ بہر حال طلسمِ الفت کا نام اِس بحث میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ جین صاحب نے خود بھی "شاید" کا لفظ غالباً اِسی بنا پر لکھا ہے۔ اِس سے قطعِ نظر، جین صاحب کی یہ رائے بہت صائب ہے کہ شوق کے سامنے متذکرۂ بالا شعرا کی مثنویاں رہی ہیں اور شوق نے اُن سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اور سب سے زیادہ فائدہ مومن کی مثنویوں سے اُٹھایا ہے :

"مومن اور شوق کی مماثلت محض وصل کے اشعار تک محدود نہیں۔ یہ محض الفاظ یا متفرق اشعار کی مماثلت نہیں، بلکہ مفہوم اور موضوع کی یکسانی ہے، جس سے کوئی شبہ نہیں رہتا کہ شوق نے مومن کی تمام مثنویوں کا مطالعہ کیا تھا، اُن کے خیالات اور الفاظ اُس کے دماغ میں گھومتے رہتے تھے، لیکن شوق کی کوثر سے دُھلی ہوئی زبان، وحدتِ تاثر اور شدتِ جذبات اُس کی مثنویوں کو مومن سے کہیں آگے بڑھا دیتی ہیں" [ایضاً]۔

مختلف مثنویوں کے مماثل اشعار کا تقابل پالوی صاحب اور جین صاحب کر چکے ہیں

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:19
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اور اُس میں اضافے کی گنجایش بہت کم ہے؛ اِس لیے اُن متقابل اشعار کو یہاں نقل کرنا محض تکرار ہوگی اور بے جا تطویل، اِس لیے اِس سے قطعِ نظر کرتا ہوں۔ جو صاحبان متقابل اشعار کو دیکھنا چاہیں، وہ محولۂ بالا دونوں کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

مہین صاحب نے واجد علی شاہ کی مثنوی بحرِ الفت کو بھی شوق کے مآخذ میں شمار کیا ہے۔ اُنھوں نے لکھا ہے: "واجد علی شاہ کی داستانی مثنویاں ولی عہدی کے زمانے کی تصنیف ہیں، اِس لیے بہارِ عشق کے مندرجۂ ذیل اشعار واجد علی شاہ کی بحرِ الفت سے ماخوذ ہیں" [ایضاً ص ۱۳۴]۔ اِس کے بعد بحرِ الفت اور بہارِ عشق کے متعدد اشعار پیش کیے گئے ہیں۔ نمونے کے طور پر میں صرف تین شعر نقل کرتا ہوں:

بحرِ الفت	بہارِ عشق
تو بڑی چیز بھی اگر چہ اٹھائے	تو بڑی روٹی بھی اگر چہ اٹھائے
تو بھی دل کو مرے یقین نہ آئے	ستیاناس ہو جو باور آئے
مجھ سے بھونڈا نہ اختلاط کرو	آدمیت سے ارتباط کرو
یہ کہیں اور ارتباط کرو	ایسا بھونڈا نہ اختلاط کرو
میں تو قائل ہوں اِس ڈھٹائی کی	بولی قائل ہوں میں ڈھٹائی کی
اور اِس دیدے کی صفائی کی	اے لو خوبی تری صفائی کی

اِن اشعار [اور ایسے دیگر اشعار] میں مماثلت واضح ہے۔ میں فی الوقت اِس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ دو وجوہ سے۔ ایک تو یہ کہ واجد علی شاہ کی یہ مثنوی میرے سامنے نہیں۔ دوسرے یہ کہ اب تک یہ بات بحث طلب اور تحقیق طلب ہے کہ واجد علی شاہ نے یہ مثنوی کب لکھی تھی، بہارِ عشق سے پہلے یا اُس کے بعد۔ اِس سلسلے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ میری نظر سے ضرور

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:19
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

زراب ؛ لیکن میری رائے میں یہ بحث اب تک ناتمام ہے۔ جب تک اِس مثنوی کے زمانۂ
نیف سے متعلق کوئی واضح رائے نہ قائم کی جاسکے، اُس وقت تک اخذ و استفادے کی بابت
ی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اِس سلسلے میں ایک بات ضرور میرے ذہن میں اُلجھن پیدا کرتی ہے۔ جین
احب نے جو اشعار تقابل میں پیش کیے ہیں، اُن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک نے
سرے سے استفادہ کیا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ واجد علی شاہ کی مثنوی پہلے لکھی گئی تھی،
شوق نے اُس مثنوی سے استفادہ کیا ہے [جیسا کہ جین صاحب کا خیال ہے] اِس صورت
یہ سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ شاہِ وقت کے کلام سے اِس طرح اِستفادہ کرنا اور پھر
س مثنوی کا اُس بادشاہ کے زمانۂ حکومت میں شائع ہونا، یہ بات آسانی سے سمجھ میں نہیں
ق بشاہی کلام سے اِس طرح استفادہ کیا جائے کہ ایک شعر دوسرے شعر کا چربہ معلوم ہو، اور
شاہ سلامت تخت پر جلوہ افروز ہوں ؛ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں، میں صرف یہ
بنا چاہتا ہوں کہ یہ بات توجہ طلب ضرور ہے۔

واجد علی شاہ کی مثنوی دریائے تعشق کا حوالہ گلزارِ نسیم میں آیا ہے۔ یہ مثنوی بھی میرے
س نہیں تھی۔ نیر مسعود صاحب نے اس کے متعلق یہ اطلاع دی تھی :

"واجد علی شاہ نے یہ مثنوی اپنے دادا محمد علی شاہ کے عہدِ سلطنت
[۱۲۵۳ھ تا ۱۲۵۸ھ] میں لکھی تھی، اُس وقت امجد علی شاہ ولی عہد
تھے۔ پہلا اڈیشن غالباً اُسی زمانے میں مطبعِ سلطانی میں چھپا تھا۔
بادشاہ ہونے کے بعد اُنھوں نے اِس پر نظرِ ثانی کی اور ترمیم شدہ
صورت میں اِس کو دوبارہ شائع کیا۔"

اِس کا حوالہ اِس سلسلے میں آیا تھا کہ لفظِ "حمل" [بہ فتحِ اوّل و دوم] کی سند میں چکبست نے اِس
مثنوی کا یہ شعر پیش کیا تھا :

گھر میں میرے بھی اے خوش اطوار :: آثار حمل کے ہیں نمودار

نیر مسعود کی تحریر کے مطابق اشاعتِ اوّل میں اِس شعر کی صورت یہ تھی :

اُس نے بھی یہ عرض کی کرشاہا :: ہے حمل کا میرے گھر میں دھوکا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:19
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

دوسرے سلطانی اڈیشن میں یہ شعر اِس طرح ہے :

گھر میں میرے بھی اے خوش اطوار ∴ آثار ہیں حمل کے نمودار

اور اِس مثنوی کے نول کشوری اڈیشن میں اِس طرح ملتا ہے :

گھر میں میرے بھی اے خوش اطوار ∴ آثار حمل کے ہیں نمودار

[یہ پوری تفصیل گلزارِ نسیم، مرتبۂ راقم الحروف میں ص ۴۹۹ پر موجود ہے] ۔ مطلب یہ ہے کہ واجد علی شاہ نے مثنوی دریائے تعشق لکھی تو بہت پہلے، مگر بعد کو اُس پر نظرِ ثانی بھی کی۔ کیا یہی صورت اِس زیرِ بحث مثنوی کی بھی ہے ؟ غرض کہ جب تک پوری طرح اِن سب امور کا جائزہ نہ لیا جائے اور واقعی صورتِ حال کا تعین نہ کیا جائے، اُس وقت تک کچھ کہنا مشکل ہے ۔

الف : کیا یہ مثنویاں شوق کی سرگذشت ہیں؟

ب : وجہِ تصنیف۔

یہ سوال زیرِ بحث رہا ہے کہ شوق کی مثنویات کا ہیرو کون ہے ۔ چوں کہ اِن مثنویوں کی وجہِ تصنیف بھی اِسی سوال سے وابستہ ہے، اِس لیے اِس پر گفتگو کرنا ضروری ہے ۔ یہ سوال خاص کر یوں اُٹھا ہے کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اِن مثنویوں میں شوق نے اپنی سرگذشت بیان کی ہے ۔ جو تحریریں میرے سامنے ہیں، اُن کے مطابق اِس سلسلے میں سب سے پہلے مولانا حالی نے اظہارِ خیال کیا ہے ؛ لیکن حالی کی احتیاط پسندی نے کچھ ایسا اندازِ بیان اختیار کیا ہے کہ قطعیت کے ساتھ کسی خیال کو اُن سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ مقدمۂ شعر و شاعری میں، جہاں اُنھوں نے صنفِ مثنوی پر رائے ظاہر کی ہے، وہاں شوق کی مثنویوں کا بھی ذکر آ گیا ہے، لکھتے ہیں :

"میر حسن کے بعد نواب مرزا شوق لکھنوی کی مثنویاں سب سے زیادہ لحاظ کے قابل ہیں ۔ اُن میں سے تین مثنویوں میں اُس نے اپنی

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:19
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

بوالہوسی اور کام جوئی کی سرگذشت بیان کی ہے، یا یوں کہو کہ اپنے اوپر افترا باندھا ہے۔"

"یا یوں کہو" لکھ کر حالی نے اپنے پہلے قول "تین مثنویوں میں اُس نے اپنی بوالہوسی اور کام جوئی کی سرگذشت بیان کی ہے" کی صراحت کو ختم کر دیا۔ "اپنے اوپر افترا باندھا ہے" کا صاف مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہیرو بنا کر پیش کیا ہے۔ اِس عبارت کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حالی نے خود شوق کو اُن مثنویوں کا ہیرو بتایا ہے۔ حالی نے ایسا اندازِ بیان اختیار کیا ہے جس میں کسی خیال کو قطعیت حاصل نہیں۔

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حالی نے خود شوق کو اِن مثنویوں کا ہیرو مانا ہے، اُنھوں نے حالی کے قول کے دوسرے جز کو نظر انداز کر دیا اور یوں مبتلائے غلط فہمی ہوئے۔ اِس سلسلے میں دو قول پیش کرنا کافی ہوگا۔ عطاء اللہ پالوی نے تذکرۂ شوق میں لکھا ہے: "حالی نے "مقدمہ" میں مثنویاتِ شوق کا ہیرو خود شوق کو بتایا ہے" [ص ۱۱۱] اور اِس کے بعد مقدمے کی وہی عبارت نقل کر دی ہے جسے اوپر درج کیا گیا ہے۔ مجنوں گورکھپوری نے مقدمۂ زہرِ عشق میں لکھا ہے:

"حالی نے نہ جانے کس واعظانہ دُھن میں زہرِ عشق کو بھی بہارِ عشق اور فریبِ عشق کی طرح شوق کی ہوس کاریوں کا ایک دفتر سمجھا ہے ..... قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق کا ہیرو ایک ہی شخص ہے۔ میں حالی کی طرح یہ کہنے کی جرات نہیں رکھتا کہ یہ حضرت خود مرزا شوق تھے، حالاں کہ اِس خیال کی تردید بھی مشکل سے ہو سکتی ہے۔"

اِن دونوں حضرات [پالوی اور مجنوں] نے حالی سے قطعیت کے ساتھ وہ بات منسوب کی ہے جسے خود حالی کی عبارت کی روشنی میں اُن سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ حالی نے اپنی طبیعت اور اپنے مزاج کے عین مطابق ایک بَین بَین بات لکھی ہے، جو "یوں بھی ہو سکتا ہے اور یوں بھی" کے تحت آتی ہے۔ اُس سے کوئی قطعی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:19
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

حالی کے برخلاف مولانا عبدالماجد دریابادی نے واضح لفظوں میں یہ کہا ہے کہ یہ مثنویاں شوق کی اپنی سرگذشت ہیں۔ بہارِ عشق اور زہرِ عشق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دونوں میں نہ کوئی پلاٹ ہے نہ طلسم کشائی۔ نہ شاعر منبر پر بیٹھ کر اخلاق کا وعظ کہہ رہا ہے نہ کالج کے لکچر روم میں تحلیلِ نفسیاتی کر رہا ہے۔ اُسے محض اپنی سیہ کاری و بوالہوسی کی کہانی سنانی ہے اور یہی وہ خوب مزے لے لے کر سنا رہا ہے۔ پھر چوں کہ محض آپ بیتی سنانی ہے، اِس لیے جگ بیتی سنانے والوں کی طرح کسی دوسرے کو عاشق فرض کرنے کی بھی ضرورت نہیں پیش آئی" [اردو کا ایک بدنام شاعر مشمولہ زہرِ عشق مجنوں اڈیشن، ص ۵۷]۔

مصنفِ شعر الہند نے تو اِس سلسلے میں کوئی رائے ظاہر نہیں کی، لیکن خم خانۂ جاوید کے مولف نے اِس پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اُنھوں نے مثنویاتِ شوق کی بابت لکھا ہے:

"یہ مختصر مثنویاں گویا اُس زمانے کی رندیت اور عیاشانہ زندگی کا کچا (کذا) عشق بازی کا دفتر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اِن مثنویوں کا موضوع خیالی مضمون آرائی نہیں، بلکہ آپ بیتی وارداتیں ہیں"۔

[جلدِ پنجم، ص ۱۰۳]

اِس عبارت سے ہماری معلومات میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ مولف نے "کہا جاتا ہے" لکھ کر اپنا دامن صاف بچا لیا ہے، کوئی رائے نہیں دی؛ اِس طرح اُن کی عبارت اِس بحث میں ہمارے کام نہیں آسکتی۔

حالی نے جو کچھ لکھا تھا اور جس طرح لکھا تھا، وہی بات بدلی ہوئی شکل میں کئی جگہ ملتی ہے۔ میں بس ایک حوالے پر اکتفا کروں گا، بقیہ کو اِسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے:

"شوق کی مثنویوں کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اُن کا اپنا واقعہ ہے جس کو نظم کر دیا گیا ہے۔ اُن کے حالات زیادہ

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:19
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

نہیں معلوم ہیں۔ اِس لیے کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی؛
لیکن شوقؔ نے آپ بیتی کا رنگ اختیار کر کے قصّے کو اِتنا اصل
بنا دیا ہے کہ ہمیں واقعے کا شبہہ ہونے لگتا ہے"۔

[خواجہ احمد فاروقی۔ بہ حوالہ تذکرۂ شوق، ص ۱۱۲]

نشاپردازی کی رنگ آمیزی سے قطعِ نظر کر لیں تو پھر اِس عبارت میں کوئی نئی بات نہیں کہی گئی ہے۔ حالیؔ نے جو بات ایک جملے میں سادگی کے ساتھ لکھی تھی، اُس کو کئی جملوں میں آرایشی انداز سے لکھ دیا گیا ہے۔ اِس عبارت اور ایسی دوسری عبارتوں کی بنیاد پر کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

شوقؔ پر سب سے پہلی مفصّل اور قابلِ قدر کتاب عطاءاللہ پالوی کی تذکرۂ شوق ہے [ناشر: مکتبۂ جدید لاہور۔ سالِ طبع: ۱۹۵۶ء۔ یہ پہلا اڈیشن ہے اور میری معلومات کی حد تک یہ کتاب دوبارہ نہیں چھپی]۔ پالوی صاحب نے اپنی کتاب میں بہت شدّومد کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ مثنویاں دراصل شوقؔ کی آپ بیتیاں ہیں، وہ خود اِن کے ہیرو ہیں۔ اُن کے اِس اصرارِ بے حد کی اصل وجہ یہ ہے کہ اُن کی رائے میں شوقؔ نے یہ مثنویاں لکھنؤ کے بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کے لیے لکھی تھیں۔ بات میں اثر پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ بہ طورِ مثال اپنی سرگذشت لکھتے۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں:

"شوقؔ کو یہ واقعے عوام پر ظاہر کر کے، لکھنوی طریقِ زندگی اور اُس وقت کی معاشرت کی درستی کے پہلو نکالنا تھا اور اِس طرح کی واشگاف گفتاری اور برملا نگاری صرف ایسی ہی ذات کے لیے ممکن تھی جو یا تو اِس قدر پست ہو کہ سوسائٹی میں اپنی بے عزتی کا کوئی احساس نہ رکھتا ہو، یا پھر اِتنا بلند ہو کہ ایک طرف تو شاہی عتاب اور امرائے لکھنؤ کے انتقام کی زد سے محفوظ رہ سکے اور دوسری جانب وہ عوام و خواص میں اِتنا اثر رکھتا ہو کہ بامہ تبلیغ نوائی اُس کی

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:20
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

طرف اُنگلی نہ اُٹھائی جاسکے۔ ظاہر ہے کہ ایسی ذات خود شوق ہی کی تھی؛ لہٰذا اُنھوں نے بلا تکلف اور بغیر جھجک اپنے ہی واقعات بہ تفصیل پیش کر دیے، تاکہ کذب وافترا کہہ کر ٹال دینے کی گنجایش بھی نہ رہ سکے" [ص ۱۱۴]۔

اِس کے بعد اُنھوں نے اپنے اِس خیال کی مزید توضیح اِن الفاظ میں کی ہے:

"اخلاق کا مسلّمہ مسئلہ ہے کہ احتساب خود اپنی ذات، اپنی جماعت، اپنی قوم اور اپنی سرزمین سے شروع کرنا چاہیے۔ اِس لحاظ سے جب شوق نے اپنے شہر کی بداخلاقیوں کو طشت از بام کرنا چاہا، تو سب سے پہلے اپنی ذاتی روئداد پیش کی اور باتوں ہی باتوں میں سارا راز کھول کر رکھ دیا" [ایضاً، ص ۱۱۵]۔

شوق نے یہ مثنویاں معاشرے کی اصلاح کے لیے لکھی تھیں اور اِسی کی خاطر اُنھوں نے اپنے ہی واقعات کو نظم کیا ہے؛ اِس مفروضے پر رائے ظاہر کرنے سے پہلے، مناسب یہ ہوگا کہ اِس بحث کے ایک اور اہم پہلو پر غور کر لیا جائے، اِس سے صحیح صورتِ حال کے تعین میں مدد ملے گی۔

اِس سے اتفاق کیا گیا ہے کہ زبان کی خوبی اور بیان کے حُسن کے لحاظ سے شوق کی مثنویوں میں بہارِ عشق کو افضلیت حاصل ہے۔ فحش نگاری اور "ام مورل" ہونے کا جو الزام شوق پر لگایا گیا ہے، وہ بھی دراصل اِسی پر مبنی ہے۔ وصلِ بالجبر کی جیسی تفصیلات بہارِ عشق میں ہیں اور جیسا بے محابا اندازِ بیان اُس میں اختیار کیا گیا ہے، فریبِ عشق میں تو اُس کا عُشرِ عشیر بھی نہیں۔ اور زہرِ عشق کا تو عالم ہی جدا ہے، وہ تو دُنیا ہی دوسری ہے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ فریبِ عشق میں بیانِ وصل کی تفصیلات کی جگہ جو طویل مکالمہ ہے، بل کہ یوں کہا جائے کہ ہیروئن کی زبان سے عاشق کی فیل بازی اور حبل سازی پر خاص خواتین کی زبان میں جو کچھ کہلوایا گیا ہے، اُس کی حیثیت جانِ سخن کی ہے۔ اِس لحاظ سے بہارِ عشق کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، کیوں کہ شوق پر جس قدر اعتراضات

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

کیے گئے ہیں اور اُسے مطعون کیا گیا ہے، اُن سب کا مرکز یہی مثنوی ہے۔ اِس لیے یہ مناسب طریقِ کار ہوگا کہ اِس مثنوی کی وجہِ تصنیف کا تعین کرلیا جائے، اِس سے صورتِ حال واضح ہوجائے گی۔

بہارِ عشق کی پہلی اشاعت [سلطانُ المطابع ۱۲۶۶ھ] کے آخر میں دو نثری عبارتیں ہیں جو بعد کے نسخوں میں نہیں ملتیں۔ اِس مثنوی کی وجہِ تصنیف کے تعین میں اِن عبارتوں کی بنیادی حیثیت ہے۔ چوں کہ یہ عبارتیں اِس مثنوی کی بعد کی اشاعتوں میں شامل نہیں ہوسکیں، اِس لیے بیش تر لوگ اِن کے مطالب سے بے خبر رہے ہیں۔ اِس مثنوی کی واقعی وجہِ تصنیف معلوم نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہی رہی ہے کہ یہ عبارتیں نگاہوں کے سامنے نہیں رہیں۔ پہلی عبارت کا عنوان ہے: "نثرِ مصنّف"۔ یہ آٹھ سطری عبارت ہے، اِس کا ابتدائی حصّہ نقل کیا جاتا ہے:

> "اِس ذرّۂ بے مقدار کو منظور یہ تھا کہ محاورات صاحباتِ محل اور
> نوچندی کے لوگوں کے کچھ بیان کرے، لہٰذا یہ مثنوی مخصوص اِسی
> واسطے کہی اور الفاظِ غلط کہ اُن لوگوں کے محاورات میں جاری
> تھے، موزوں کیے اور موافق قول اساتذہ کے اُن کو صحیح سمجھ کر
> جاری رکھا۔"

[مکمل عبارت اِسی مقدمے میں "مطبوعہ نسخے" کے تحت نقل کی گئی ہے]۔ مصنّف کا اپنا بیان یہ ہے کہ میں نے یہ مثنوی اِس غرض سے لکھی ہے کہ صاحباتِ محل اور نوچندی میں شرکت کرنے والوں کے محاورات، یعنی اُن کی بول چال اور طرزِ گفتگو کو بیان کیا جائے۔ اُس نے وضاحت کے ساتھ، بل کہ تاکیدی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ "یہ مثنوی مخصوص اِسی واسطے کہی"۔ اب یا تو کوئی ایسی دلیل لائی جائے جس کے سامنے مصنّف کا یہ واضح بیان باطل ٹھہرے اور ناقابلِ قبول قرار پائے۔ اگر ایسا نہیں ہوسکتا، اور یہ واقعہ ہے کہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں، اِس صورت میں اِس بیان کو تسلیم کرنا ہوگا۔

دوسری عبارت ... اسی نسخۂ طبع اوّل کے آخر میں "نثرِ خاتمہ" کے عنوان سے بھی

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:20
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

ایک عبارت ہے، اُس کے یہ اجزا توجہ طلب ہیں:

"حکیم نواب مرزا صاحب..... نے حسبِ استدعائے دوستاں اور بہ فرمایشِ عمدۃ الاکابر نواب ابوتراب خاں صاحب بہادر.... اِس دُرِ شاہوار اور گوہرِ آبدار کو رشتۂ نظم میں منسلک کیا اور بہارِ عشق نام رکھا...... حق تو یوں ہے کہ ابتدائے اردوے معلّٰی سے آج تک ایسی نظمِ مسلسل شعرائے سابق وحال کی نظر سے بہت کم گزری ہوگی اور کسی نے محاورات مستوراتِ محل کے بہ ایں لطافت و فصاحت کبھی نہ سُنے ہوں گے..... حسبِ فرمانِ واجبُ الاذعانِ نواب صاحب ممدوح یہ نسخہ قالبِ طبع میں آیا۔"

[مکمل عبارت اِسی مقدمے میں "مثنویات کا زمانۂ تصنیف" کے تحت نقل کی گئی ہے]۔

اِس عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی بعض احباب، خاص کر نواب ابوتراب خاں کی فرمایش پر لکھی گئی تھی اور پہلی بار اُنھی کے حکم کے مطابق شائع ہوئی تھی۔ محاوراتِ مستوراتِ محل کی صراحت یہاں بھی موجود ہے۔

اِن دونوں عبارتوں سے اِس مثنوی کی وجہِ تصنیف واضح طور پر معلوم ہوجاتی ہے۔ جب تک اِن بیانات کی تردید نہ کی جاسکے، اُس وقت تک اِنھیں لازماً تسلیم کیا جاتا رہے گا۔ اِس طرح یہ کہنا کہ شوقؔ نے یہ مثنویاں لکھنوی معاشرے کی اصلاح کے لیے لکھی تھیں، کوئی معنی نہیں رکھتا اور ضمنی طور پر یہ بات بھی بے اصل ٹھہرتی ہے کہ یہ اُن کی اپنی سرگذشت ہیں۔

اِن دونوں باتوں سے بڑھ کر ایک اور بات ہے۔ بہارِ عشق میں ایک پہلو ایسا ہے جس کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں کی اور اِس پر مجھے بہت تعجب ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس کی بنیاد پر بہ آسانی یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سرگذشت شوقؔ کی اپنی تو ہو ہی نہیں سکتی۔ مثنوی کے آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ کسی شادی میں شوقؔ بھی مدعو تھے اور وہ خاتون بھی وہاں آئی ہوئی تھیں،

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

5:20
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

لگے۔ ہیروئن کے گھر والے۔ "دیکھ یہ حال ہو گئے حیراں"۔ جب اور کچھ نہ بن آئی تو یہ مشورہ کیا گیا کہ : "شادی اِن دونوں کی جو ہو جائے :: کچھ تو منہ سے سیاہی دھو جائے"۔ آخر کار "ہو گئی دھوم دھام سے شادی"۔ یعنی وہ خاتون جن کو گھیر گھار کر لایا گیا تھا اور وصل کا اہتمام کیا گیا تھا اور اُس کی تفصیلات کو مزے لے لے کر بیان کیا گیا تھا ؛ وہ کوئی اور نہیں، خود شوق کی بیگم صاحبہ تھیں۔ اگر یہ مانا جائے [جیسا کہ پالوی صاحب نے مانا ہے] اِن مثنویوں میں شوق نے اپنی سرگذشت بیان کی ہے، اُس صورت میں اِس بات کو بھی لازماً ماننا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ نواب مرزا شوق ہوں یا ویسا ہی کوئی دوسرا شخص، اِس کا اعلان کرنا کبھی پسند نہیں کرے گا کہ اُس کی بیوی وہی ہے جس کے ساتھ زنا بالجبر کیا جا چکا ہے۔

اگر اِس مفروضے کو مان لیا جائے کہ شوق نے آپ بیتی بیان کی ہے، اُس صورت میں کیا عقلِ سلیم یہ ماننے پر آمادہ ہو سکتی ہے کہ طبقۂ اشرافیہ کا ایک فرد شادی کے بعد بہ بانگِ دہل یہ اعلان کرے کہ یہ جو ہماری بیگم صاحبہ ہیں، یہ وہی ہیں جن سے ناجائز تعلقات رہ چکے تھے۔ وہ پورے قصے کو دُہرائے، جنسی عمل کی تفصیلات لکھے اور یہ بتائے کہ اِن محترمہ کا ماضی کیا تھا۔ بہ قائمیِ ہوش و حواس اِس کو ماننا بہت مشکل ہے۔ شوق تو طبقۂ اشرافیہ سے تعلق رکھتے تھے ؛ اُس زمانے کا ہو یا اِس زمانے کا، کوئی اوسط درجے کا شخص بھی اپنی بیوی کے متعلق ایسی باتیں نہیں لکھ سکتا۔

بہارِ عشق، فریبِ عشق اور زہرِ عشق ؛ تینوں مثنویوں میں شوق نے ایک ہی پیرایۂ اظہار اختیار کیا ہے کہ اپنے آپ کو ہیرو بنا کر پیش کیا ہے اور پوری کہانی سنائی اِس طرح ہے جیسے آپ بیتی ہو۔ یہ بیان کا ایک خاص انداز ہے۔ اِس طرح کہانی میں حقیقت کا رنگ نمایاں ہو سکتا ہے اور سننے والوں پر زیادہ اچھا اور گہرا اثر پڑ سکتا ہے۔ اِس پیرایۂ بیان کو حقیقت بیانی پر محمول کرنا اور سچ مچ اُسے بیان کرنے والے کی آپ بیتی سمجھ لینا انداز بیان کے اسرار و رموز سے ناآشنائی کا اعلان کرنا ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:20
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

نہیں، اُس صورت میں یہ بات خود بہ خود واضح ہو جائے گی کہ باقی دونوں مثنویوں میں بھی بیان کا یہی انداز ہے۔ فریبِ عشق میں جب ہیروئن کہتی ہے: "ارے تو ہی نواب مرزا ہے"، تو اِسے ادائے مفہوم کا ایسا انداز ماننا چاہیے جس نے اُس پیرایۂ اظہار کی گویا تکمیل کر دی ہے اور اِس طرزِ ادا کو شوق کے خاص محاسن میں شمار کرنا چاہیے۔

ایک بات اور: بہارِ عشق میں ہیروئن کہتی ہے:

نہ سمجھنا زمانہ اور ہے یہ ∴ شاہ واجد علی کا دور ہے یہ

یعنی [اگر یہ واقعہ ہے تو واجد علی شاہ کے عہدِ حکومت کا ہے]۔ واجد علی شاہ ۱۲۶۳ھ [۱۸۴۷ء] میں تخت نشیں ہوئے تھے [نجم الغنی خاں: تاریخِ اودھ]۔ شوق کا سالِ ولادت ۱۱۹۷ھ بتایا گیا ہے [تذکرۂ شوق]۔ یعنی جس سال واجد علی شاہ تخت نشیں ہوئے تھے، اُس وقت شوق کی عمر کم و بیش چھیاسٹھ برس کی ہوگی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ حقیقتاً واقعہ تھا اور اِس کے ہیرو خود شوق تھے، تو کیا ۶۶ برس کی عمر میں وہ سب کچھ ہوا تھا جس کی تفصیل اِس مثنوی میں لکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات ماننے کے قابل نہیں۔ شاعر نے [جو دراصل راوی ہے] خود لکھا ہے کہ یہ ہیرو کی جوانی کے زمانے کا قصہ ہے۔ بات وہی ہے کہ شوق نے اندازِ بیان ایسا اختیار کیا ہے کہ کہانی نے واقعے کی سی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ یہ نہ آپ بیتی ہے نہ کوئی حقیقی واقعہ؛ یہ محض ایک قصہ ہے جس میں اُس زمانے کے ایسے واقعات کا عکس اُتر آیا ہے۔ گویا یہ اُس زمانے کی جگ بیتی ہے۔

شوق نہ تو واعظ تھے نہ ریفارمر۔ وہ تو اُس طبقے سے تعلق رکھتے تھے جس میں لذت اندوزی زندگی کا اصل مقصد بن کر رہ گئی تھی۔ وہ اُس معاشرے میں رہتے تھے جس میں حصولِ لذت کے وسائل کم نہیں تھے۔ حسین آباد کا جلسہ ہو یا درگاہِ حضرت عباس میں شب بیداری اور عبادت کے نام پر آنے والی مہ جبینوں کے جمگھٹے، یہ سارے مقامات اُن کے دیکھے بھالے تھے۔ وہ جس طرح حسینوں کے انداز و اطوار سے خوب واقف تھے، اُسی طرح اُن کے روزمرہ اور محاورے کے اور گھات کی باتوں کے بھی خوب رمز شناس تھے۔ مزاج بھی تماش بینوں والا پایا تھا۔ اردو کی معروف عشقیہ مثنویاں پڑھ چکے تھے، خاص طور پر مومن

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:20
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کی مثنویاں، جن میں جسم اور جنس کا بیان بہت لذت بخش تھا، خاص کر وصل کے بیانات۔ پھر خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی میر اثر کی مثنوی خواب و خیال تھی، جس میں سراپا کے تحت اندامِ نہانی تک کی تفصیل موجود تھی اور مواصلت کی تفصیلات تو تھیں ہی؛ ہاتا پائی میں ہانپتے جانے اور ڈھانپتے ڈھانپتے کھل جانے کا بھی بیان تھا۔ کچھ دوستوں کی ترغیب، کچھ ابو تراب خاں جیسے رئیس کی فرمایش، اِن سب پر مستزاد مذکورۂ بالا مثنویوں کی شہرت اور مقبولیت کا طاقتور احساس؛ اِن سب نے مل کر ایسی مثنوی لکھنے کی تحریک پیدا کی جس میں نوچندی میں آنے والی خواتین کے محاوروں اور روزمرّہ کا زیادہ سے زیادہ بیان سما جائے۔ ساتھ ہی نوچندی، درگاہ اور حسین آباد کی وہ جھلکیاں بھی نگاہوں کے سامنے آجائیں جن سے وہ راتیں رنگین بن جایا کرتی تھیں۔ شاعر بیگانہ آشنا یا دور کا تماشائی نہیں تھا، رنگ و راموش کے اُن دھندلکوں کے اسرار سے خوب واقف تھا اور فضا ایسی تھی جس میں ایسے بیانات کے سرسبز ہونے اور مقبولِ عام ہونے کے سارے اسباب موجود تھے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ شوق کی مثنویوں میں پلاٹ تو ہی نہیں اور جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اُس میں بھی جگہ جگہ نظر رکتی ہے، تو یہ کچھ غلط نہیں۔ مثال کے طور پر بہارِ عشق میں اُس موقعے کے بیان کو لیجیے جب اُن کے دوست ہیرو اُن کے گھر پہنچتے ہیں۔ پیغام سنتے ہی وہ صاحبہ خود چلی آتی ہیں اور گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔ دو چار یا دس بیس جملوں پر مشتمل نہیں، یہ خاصی لمبی بات چیت ہے۔ اُن کے دوست نے: "کچھ کہا چپکے، کچھ پکار پکار"۔ وہ صاحبہ پہلے تو آگ بگولا ہو گئیں اور سُنانے پر اُتر آئیں "سُنائیں بھی خوب، خیر پھر اُن کا دل پسیجا۔ مثنوی کے آغاز میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ خود امیر زادی ہے، یعنی کسی معمولی خاندان کی لڑکی نہیں۔ ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک اجنبی سے دروازے پر کھڑے کھڑے ایک شریف خاندان کی بن بیاہی لڑکی اِتنی دیر تک ایسی باتیں کرتی رہے۔ کیا گھر میں کوئی اور تھا ہی نہیں۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:20
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کہانیاں لکھنا تھا ہی نہیں، اُس کا مقصد تو یہ تھا کہ صاحباتِ محل اور صاحباتِ کوچندی کے زیادہ سے زیادہ محاورے یک جا ہو جائیں اور اُن کی زبان کے زیادہ سے زیادہ لفظ جمع کر دیے جائیں اور اِس میں وہ کام یاب رہا ہے۔

اِن مثنویوں میں خواتین شروع سے آخر تک محوِ سخن طرازی ملتی ہیں۔ مثلاً بہارِ عشق میں ہیرو اُن جب باغ میں آجاتی ہے، اُس کے بعد وہی بولتی رہتی ہے۔ یہ حصّہ غیر ضروری حد تک طویل ہے، اِس کی طوالت کھٹکتی بھی ہے؛ مگر شاعر کا مقصد ہی یہ تھا کہ ایسے مواقع پر صاحباتِ محل کے زیادہ سے زیادہ محاورے بیان میں آجائیں اور زیادہ سے زیادہ الفاظ اُس کی زبان سے ادا ہوں۔ ایسے مقامات جہاں عورت کو سُنے دے سکتی ہے، بُرا بھلا کہہ سکتی ہے اور الفاظ میں بیزاری کا اظہار کر سکتی ہے، شاعر نے وہاں خاص کر طوالت سے کام لیا ہے۔ مثلاً فریبِ عشق میں سوالِ وصل پر انکار اور اعتراض اور پھر اظہارِ ناراضی والا حصّہ خاصا طویل ہے۔ بہارِ عشق میں بھی یہی حصّہ بہت طویل ہے۔ کیسے کیسے کوسنے دیے گئے ہیں، قسمیں دی گئی ہیں، منت کی گئی ہے، غصّہ کیا گیا ہے، ڈرایا دھمکایا گیا ہے۔ یہ حصّہ غیر ضروری بل کہ غیر مناسب حد تک طویل ہے؛ لیکن اِسی حصّے میں اور ایسے ہی حصّوں میں تو عورتوں کی زبان کے جوہر کھلتے ہیں اور لفظوں کی کاٹ تلوار کی آبداری کی حریف بن جاتی ہے، اِسی لیے شاعر نے دانستہ یہ طریقۂ کار اختیار کیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اِن حصّوں میں خواتین کی زبان کے جوہر خوب کھلے ہیں اور اِنھی حصّوں کی وجہ سے اِن مثنویوں نے فروغ پایا ہے۔ اِسی بنا پر ایسے اجزا کی طوالت پر یا اُن کی شوخ بیانی پر اعتراض نہیں کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہی شاعر کا اصل مقصد تھا۔ شوخ نگاری اور تفصیل نگاری کا یہ انداز نہ ہوتا تو یہ مثنویاں زبان و بیان کی روشن اور متحرک تصویریں بھی نہیں بن پاتیں۔

فریبِ عشق میں مثنوی کا سب سے طویل حصّہ وہی ہے جہاں ہیرو اُن وصل سے پہلے محوِ گفتگو ہے۔ ڈانٹ رہی ہے، کوس رہی ہے، قسمیں دے رہی ہے، ڈرا دھمکا رہی ہے اور بہت سے واسطے دے رہی ہے۔ سچّی بات تو یہ ہے کہ اِس مثنوی میں اِس حصّے کے علاوہ اور کچھ ہے نہیں۔ زبان اور بیان کی بہت سی خوبیاں اِس حصّے میں یک جا ہو گئی ہیں۔ زبان

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:21
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

مستورات بہت کچھ وسعت، توانائی اور روایتی حُسن کے ساتھ یہاں سامنے آجاتی ہے۔ پھر بھی بہارِ عشق میں اِسی قبیل کا جو حصّہ ہے، وہ اِس سے زیادہ طویل، اِس سے زیادہ حسین اور اِس سے زیادہ بھرپور ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ فریبِ عشق پہلا نقش ہے اِس انداز کا۔ محاوراتِ صاحباتِ محل اور نوچندی کے لوگوں کی زبان کی اِس میں بھی اصل حیثیت ہے، مقصد وہی ہے؛ مگر یہ مشقِ سخن کا نقشِ اوّل ہے اور بہارِ عشق اُس کا نقطۂ عروج ہے۔ اب شاعر کی زبان میں پختگی ہے، بیان پر حاکمانہ قدرت ہے اور مشق نے روانیِ سخن کو بڑھا دیا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے محوّلہ بالا مضمون میں یہ جو لکھا ہے، "فریبِ عشق بھی بہ مشکل ہی اُن کی تسلیم کی جا سکتی ہے، ممکن ہے نومشقی کے زمانے کی ابتدائی تصنیف ہو" تو یہ بات کچھ ایسی غلط نہیں۔ فریبِ عشق ہے تو بالیقین شوق ہی کی، مگر بات وہی ہے کہ اِس میں زبان اور بیان کی اُتنی پختگی اور کساوٹ نہیں جو بہارِ عشق اور پھر زہرِ عشق میں ہے۔ اِس میں تو ذرا بھی شک نہیں کہ فریبِ عشق میں بھی خواتین کی زبان اپنی بہار دکھا رہی ہے، لیکن اُس کا کمال بہارِ عشق میں نظر آتا ہے۔

زہرِ عشق کے آغاز میں یہ اشعار بھی ہیں:

ایک قصّہ غریب لکھتا ہوں　　داستانِ عجیب لکھتا ہوں
تازہ اِس طرح کی حکایت ہے　　سُننے والوں کو جس سے حیرت ہے

کیا اِن اشعار سے یہ مترشح نہیں ہوتا کہ یہ ایک قصّہ اور ایک سنی ہوئی حکایت ہے۔ اِس کے بعد راوی کا بیان شروع ہوتا ہے:

جس محلّے میں تھا ہمارا گھر　　وہیں رہتے تھے ایک سوداگر

جو راوی ہے، اُس کو ہیرو مان لینا نہ ضروری ہے نہ مناسب۔ میں جب بھی اِس مثنوی کے اِن اشعار کو پڑھتا ہوں، مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ راوی نے بیان کا ایک خاص ڈھنگ اختیار کیا ہے کہ ایک عجیب قصّے اور ایک تازہ حکایت کو آپ بیتی بنا کر پیش کیا ہے اور یہ اُس کا خاص انداز ہے کہ پچھلی دونوں مثنویوں میں بھی اِسی

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:21
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

حالی نے مقدمے میں لکھا ہے، "افسوس ہے شوق کی مثنویوں کی اِس سے زیادہ اور کچھ داد نہیں دی جاسکتی کہ جو شاعری اُس نے ایسی اِم مورل مثنویوں کے لکھنے میں صرف کی ہے؛ اگر وہ اُس کو اچھی جگہ صرف کرتا اور روشنی کے فرشتے سے تاریکی کے فرشتے کا کام نہ لیتا، تو آج اردو زبان میں اُس کی مثنویوں کا جواب نہ ہوتا۔"

اِس سے ذرا پہلے شوق کی مثنویوں کے متعلق وہ یہ لکھ چکے تھے کہ یہ مثنویاں "حشو اور بھرتی کے الفاظ سے بالکل پاک ہیں..... اُن میں مردانے اور زنانے محاوروں کو اِس طرح برتا ہے کہ نثر میں بھی ایسی بے تکلفی سے آج تک کسی نے نہیں برتا..... جو کچھ اُس نے بیان کیا ہے، وہ مورل ہو یا اِم مورل، اُس میں حُسنِ بیان کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔"

حُسنِ بیان کا حق اِسی لیے ادا ہو پایا ہے کہ شاعر نے مورل اور اِم مورل جیسی اضافی پابندیوں پر توجہ کرنے کے بجائے، زبان اور بیان پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ شوق نے جو پیرایۂ اظہار اختیار کیا ہے، اُس میں اِتنی وسعت اور گنجایش ہے کہ مردانے اور زنانے محاوروں کو زیادہ سے زیادہ جگہ مل جائے۔ اگر روشنی کے فرشتے سے نیک کرداری کی روشنی پھیلانے ہی کا کام لیا جاتا اور شاعر افلاطونی عشق ہی بگھارتا رہتا، تو اِس کا امکان تو ہو سکتا تھا کہ یہ مثنویاں مولانا حالی کے اصلاحی نقطۂ نظر کے مطابق "اِم مورل" نہ ہوتیں، مگر یہ طے شدہ ہے کہ "محاورات صاحباتِ محل اور نوچندی کے" اِس رنگارنگی اور کثرت کے ساتھ معرضِ بیان میں نہیں آ پاتے۔ لطفِ زبان اور حُسنِ بیان کے یہ مرقعے تیار نہیں ہو سکتے تھے اور زبانِ لکھنؤ کے نہایت حسین، دل کش اور وسیع الذیل پہلو سے ہم ناآشنا رہتے۔

یہاں ذرا سی دیر کے لیے رُک کر ایک اور سوال پر غور کر لینا غیر مناسب نہ ہوگا۔ شوق کی دو مثنویاں فریبِ عشق اور بہارِ عشق تو ایک انداز کی ہیں اور تیسری مثنوی زہرِ عشق [جو سارے قرائن کے مطابق آخری تصنیف ہے] اِن دونوں سے مختلف ہے۔ اِس میں نہ تو محاورات صاحبات محل و نوچندی کو جمع کیا گیا ہے اور نہ بیانِ ملاقات اور بیانِ وصل

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

کی وہ تفصیلات ہیں جو اُن دونوں مثنویوں کے اصل اجزا ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے۔

قطعی طور پر تو اِس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن ایک بات سامنے کی ہے اور میری رائے میں وہی اصل وجہ اور حقیقی سبب ہے اِس فرق کا۔ جیسا کہ "اشعار کی کمی بیشی" کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے، بہارِ عشق کی دوسری اشاعت، یعنی اِس مثنوی کے نظرِ ثانی شدہ اڈیشن [مطبعِ محمدی ۱۲۶۸ھ] کے آخر میں "ترغیبِ عشقِ حقیقی" کے عنوان سے تینتیس اشعار کا اضافہ ملتا ہے۔ یہ اشعار اشاعتِ اوّل [۱۲۶۶ھ] میں نہیں تھے۔ طبعِ ثانی کے آخر میں جو "نثرِ خاتمہ" ہے، اُس میں یہ صراحت ملتی ہے کہ اِن اشعار کا اضافہ مصنّف نے اِسی اشاعت میں کیا ہے۔ متعلقہ عبارت یہ ہے:

"... نواب مرزا صاحب شاعرِ شیریں زباں ..... نے حسبِ استدعائے بعضے دوستانِ لطیف کچھ خیال انجام اندیشی کر دنیائے فانی کو ناچیز سمجھ کر اصل حقیقت کو بیان کیا تا اینکہ عارفانِ صافی دل اس کو ملاحظہ کر کے لذتِ حسنِ حقیقی اٹھاویں لہٰذا دوبارہ بحرِ فکر میں غواصی کر کے اس درِ شاہوار اور گوہرِ آبدار کو رشتۂ نظم میں منسلک کیا اور بہارِ عشق صادق نام رکھا۔"

[مکمل عبارت اِسی مقدمے میں "مطبوعہ نسخے" کے تحت نقل کی گئی ہے]۔ خیال میرا یہ ہے کہ جب بہارِ عشق پہلی بار [۱۲۶۶ھ میں] چھپ کر لوگوں کے سامنے آئی، تو کچھ خاص لوگوں یا حلقوں کی طرف سے اِس پر اعتراضات کیے گئے، خاص کر بیانِ وصل میں عریاں نگاری پر اور کہیں کہیں جو ابتذال پیدا ہو گیا ہے، اُس پر۔ مثنوی تو چھپ کر سامنے آ چکی تھی، عام پڑھنے والوں نے پسند بھی کیا تھا، زبان اور بیان کے حُسن کے لوگ قائل تھے ہی اور عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے ایسی عریاں نگاری کچھ زیادہ قابلِ اعتراض بھی نہیں ہو سکتی تھی، کیوں کہ اِس طرح کی باتیں فارسی اور اردو، دونوں زبانوں کی شاعری میں کچھ کم نہیں تھیں اور اُن پر کسی نے اعتراض بھی نہیں کیا تھا؛ اِس لیے طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ آخر میں عشقِ حقیقی کی ترغیب کا چھوٹا سا بیان شامل کر دیا جائے۔ اِس طرح گویا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:21
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

پہلے بیانات کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ یہ وہی تکنک تھی جسے شوق سے پہلے خواجہ میر اثر استعمال کر چکے تھے۔ مثنوی خواب و خیال میں سب کچھ کہہ دینے، یعنی سراپا میں ایسے شعر لکھنے کے بعد:

کچھ نہ کہہ زیرِ ناف کیسا ہے — رفتہ و شستہ صاف کیسا ہے
دیکھتے واں نگاہ پھیلے ہے — بے طرح آگے راہ پھیلے ہے
جو کہ ہاتھ اُس طرف بڑھاتے ہیں — پانوے کر وہ سر چڑھاتے ہیں
تنگ میں یوں نپٹ ہے تیرا داہاں — نہیں تنگی میں کم پہ یہ بھی مکاں
اُسی انداز پر دہانا ہے — دونوں کا ایک شامیانا ہے
فرق چھوٹے نہ کچھ بڑے کا ہے — یہی بس آڑے اور کھڑے کا ہے

اور بیانِ وصل میں یہ کہنے کے بعد:

وہ ترا دونوں ہاتھ کر کے اُوٹ — میری رانوں پہ رکھ، بچانا چوٹ
دامن ایدھر اُدھر سے لے آنا — ڈھانپتے ڈھانپتے میں کھُل جانا
ہاتھا پائی سے ہانپتے جانا — کھُلتے جانے میں ڈھانپتے جانا
وہ ترا ڈھیلے چھوڑنا بے بس — وہ ترا سُست ہو کے کہنا، بس

کہتے ہیں:

حق مرا خاتمہ بخیر کرے — دور سب دوستیِ غیر کرے
اِن بُتوں کے خیال میں نہ مروں — اپنے اللہ کو میں یاد کروں
میرے صاحب کے نام کا صدقہ — اور اُس کے کلام کا صدقہ
کون معشوق، کون شاہد ہے — اب سخن کا خدا ہی شاہد ہے

اِس کے بعد میر اثر نے جو کچھ لکھا ہے، وہ سب گویا بے اثر ہو جاتا ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم لکھتے ہیں:

"اگرچہ اِس مثنوی میں ایک آدھ مقام ایسا آ گیا ہے جہاں حیا اور شرم کو بالائے طاق رکھ دیا ہے، مگر میر اثر کی زندگی ایسی پاک صاف

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:21
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اور درویشانہ تھی کہ اس پر کسی کا وہ گمان نہیں ہو سکتا جو شوق کی مثنویاں پڑھ کر ہوتا ہے۔ یہاں صاف گنتی کے چند شعر ہیں اور وہاں دفتر کا دفتر اِسی سے سیاہ کیا ہے۔"

[مقدمۂ مثنوی خواب و خیال، کراچی ۱۹۵۰ء]

یہی طریقہ شوق نے اختیار کیا کہ مثنوی کے آخر میں "ترغیبِ عشقِ حقیقی" کے عنوان سے ۲۳ اشعار کا اضافہ کر دیا، جس میں یہ بھی لکھ دیا:

کوئی الفت نہ بے وفا سے کرے　　عشق کرنا ہو، تو خدا سے کرے
چار دن کی یہ زندگانی ہے　　جو ہے، اِس کے سوا، وہ فانی ہے

۱۲۶۸ھ میں بہارِ عشق کا یہ دوسرا اڈیشن شائع ہوا، اُس کے چار سال بعد ہی اودھ کی حکومت بدل گئی، یعنی واجد علی شاہ کی دور ختم ہو گیا، گویا زمانہ بدل گیا۔ محاوراتِ صاحباتِ محل و گفتگوے مردانِ نوچندی کو فریبِ عشق اور بہارِ عشق میں لکھ ہی چکے تھے، یعنی اب وہ موضوع باقی ہی نہیں رہا تھا، دوسری طرف صورتِ حال میں بھی بہت کچھ تبدیلی آچکی تھی اور پچھلی بے محابا نگاری پر کچھ بااثر لوگوں کے ردِّ عمل کا احساس بھی کارفرما تھا؛ ایسے حالات میں اب جو مثنوی لکھی تو اُس میں دوسرا قصہ بیان کیا ذرا دوسرے ڈھنگ سے، اگرچہ اصل کردار ذرا بھی نہیں بدلا تھا نہ ہیرو کا نہ ہیروئن کا۔ ہیروئن یہاں بھی:

پنجشنبے کو جاتی تھی درگاہ　　واں سے آتی تھی میرے گھر وہ ماہ

در ساری رات رہتی تھی۔ کردار بدلتے بھی کیسے، زمانہ ضرور بدلنے لگا تھا، لیکن لکھنے والا تو نہیں بدلا تھا، وہ معاشرہ نہیں بدلا تھا، وہ رسمیں نہیں بدلی تھیں۔ پچھلی دونوں مثنویوں [فریبِ عشق اور بہارِ عشق] کی طرح اِس مثنوی میں بھی اصلاً ہیروئن ہی محوِ گفتگو ہے؛ مگر کہانی کا انداز چوں کہ بدل گیا ہے، اِس لیے اُس کی گفتگو بھی بدلی ہوئی ہے۔ ایک بڑا فرق یہ ہے کہ اُن دونوں مثنویوں میں ہیروئنیں شروع سے آخر تک اپنی زبان میں باتیں کرتی ہیں اور "محاوراتِ صاحباتِ محل" کی بہترین مثالیں سامنے آجاتی ہیں۔ اِس مثنوی

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:21
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

[زہرِ عشق] میں وہ بات نہیں۔ کہیں کہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ شوق نے اپنی زبان ہیروئن کے منہ میں رکھ دی ہے۔ محض بطورِ مثال اِن چند اشعار کو دیکھیے :

کوئی لیتا بھی اب نہیں یہ نام — کون سی گور میں گیا بہرام
اب نہ رستم نہ سام باقی ہے — اک فقط نامی نام باقی ہے
تھے جو مشہور قیصر و مغفور — باقی اُن کا نہیں نشانِ قبور
ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے — یہی دُنیا کا کارخانہ ہے
ہے نہ شیریں نہ کوہ کن کا پتا — نہ کسی جا ہے نل دمن کا پتا
بوے الفت تمام پھیلی ہے — باقی اب قیس ہے نہ لیلی ہے
صبح کو طائرانِ خوش الحان — پڑھتے ہیں کُلُّ مَن عَلیہا فان
زندگی بے ثبات ہے اِس میں — موت، عَینِ حیات ہے اِس میں

یہ ایک الھڑ لڑکی کی زبان نہیں؛ یہ شوق کی آواز ہے، اُنھیں کے الفاظ ہیں، اُنھی کا طرزِ گفتگو ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بہارِ عشق میں "فرمایشِ احباب" یا یوں کہیے کہ فہمایشِ احباب کی بنا پر اُن کو آخر میں عشقِ حقیقی کے سایے تلے پناہ لینا پڑی تھی، وہ بات بھی کھٹک رہی ہوگی۔ غرض کہ اِس آخری مثنوی [زہرِ عشق] کا موضوع بھی بدل گیا، زبان بھی اور اندازِ بیان بھی۔ اب یہ اتفاق ہے، حُسنِ اتفاق کہ یہ آخری کاوش اُن کا شاہ کار قرار پائی۔ تخلیقی عمل کی نیرنگیاں کب کیا گُل کھلائیں گی اور کون سا ادب پارہ وجود میں آئے گا، یہ تو تخلیق کار کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔

عشقِ حقیقی کی فرضی جہار دیواری میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہونے سے پہلے اُنھوں نے زبانِ مستورات، محاوراتِ صاحباتِ محل اور گفتگوے ردمانِ نوچندی کے ایسے مرقعے تیار کر دیے تھے جو زبان اور بیان، دونوں کے حُسن کے لحاظ سے اپنی دل کشی کو کم سے کم طویل زمانے تک اور شاید ہمیشہ محفوظ رکھ سکیں گے اور آخر میں ایک شاہ کار ایسا بھی پیش کر دیا جس میں اصل خوبی زبان کی نہیں، بیان کی ہے۔ مثنوی میں آخری ملاقات والا حصّہ بہت جان دار، بہت پُر اثر اور بہت روشن ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:21
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

ناپایداریِ دنیا اور زندگیِ فانی کے مفہوم کو شاعر نے ایک لڑکی کی زبان سے ادا کرایا ہے، جس کے لیے یہ بھری پُری دُنیا واقعتاً آنی فانی ہے، جس کو معلوم ہے کہ صبح طلوع ہونے کے ساتھ ہی اُس کی زندگی کا سورج غروب ہو جائے گا۔ اِس طرحِ ادائے خیال کے لیے وہ سارے لوازم اور پوری فضا موجود ہے جن کی مدد سے زورِ بیان اشعار میں سرایت کر جاتا ہے اور جہاں تاثیر کا رنگ چمک اُٹھتا ہے۔ سب الفاظ عورت کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں، اُن میں سے بہت سے الفاظ اُس کے اپنے نہیں۔ اُس کی زبان پر رواں ہیں لیکن اُس کی زبان کے نہیں ہیں۔ یہاں وہی بات ہے: دریں آئنہ طوطی صفتم داشتہ اند۔ البتہ ایک حصّہ اِس پُر درد بیان کا یقیناً ایسا ہے جہاں عورت اپنی زبان میں باتیں کر رہی ہے۔ اِس حصّے میں تاثیر کی فراوانی اِتنی اور ایسی ہے کہ دوسرے حصّے میں زبان اور بیان کے اختلاف کی طرف ذہن منتقل ہی نہیں ہو پاتا۔ تنقید اور تجزیے کی صلاحیت بے کار ہو کر رہ جاتی ہے۔

یہ بات کہ واقعتاً کوئی ایسا حادثہ پیش آیا تھا، اِس کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں ہو سکتا ہے اِس سے ملتا جلتا کوئی واقعہ سُننے میں آیا ہو، اور یہ بھی بہ خوبی ممکن ہے کہ شاعر کے ذہن میں ادائے مفہوم کا ایک خاکہ سا بن گیا ہو۔ ہر صورت میں یہ لازم نہیں کہ یہی کی واردات ہو، اِس لیے یہ بحث یہاں اُٹھنا ہی نہیں چاہیے کہ اِس مثنوی کا ہیرو کون تھا۔ آخر میں جس طرح ہیرو کو زہر کھلایا گیا ہے، اُس نے اُس حصّے میں ساختگی اور تصنّع کی فضا پیدا کر دی ہے اور غالباً اِسی سے متاثر ہو کر ڈاکٹر گیان چند جین نے یہ سخت بات کہی ہے، "زہرِ عشق کا انجام اِتنا نا معقول ہے کہ وہ کسی کی سرگذشت نہیں ہو سکتی" [اردو مثنوی شمالی ہند میں، جلدِ دوم، ص ۱۲۷]۔ یہ فرض کر لینا کہ زہرِ عشق کے ہیرو خود شوق تھے، کسی بھی لحاظ سے قابلِ قبول ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کوئی بھی مثنوی ہو، شوق محض راوی ہیں۔ اِس سے شوق کا درجہ ذرا بھی کم نہیں ہوتا۔ یہ روایتیں اِس قدر دل چسپ، دل کش، نظر فریب اور سماجی حقیقتوں کی سچّی ترجمان ہیں کہ بہت سی اچھی سرگذشتیں بھی اِن کے سامنے بے نور ہو کر رہ جائیں گی۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:22
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اِس بحث کا حاصل یہ ہے کہ اِن مثنویوں کے متعلق یہ رائے قائم کرنا کہ یہ شاعر کی سرگذشت ہیں اور شوق خود ہیرو تھے اِن مثنویوں کے، درست نہیں۔ یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ شوق نے یہ مثنویاں لکھنوی معاشرے کی اصلاح کے لیے لکھی تھیں۔ شوق اگر زندہ ہوتے اور اُن پر یہ الزام لگایا جاتا، تو مجھے یقین ہے کہ وہ ازالۂ حیثیتِ عرفی کا مقدمہ ضرور دائر کر دیتے۔ وہ اُس طبقۂ اشرافیہ کے ایک فرد تھے جو ایسے جلسوں کو اور ایسی لطف اندوزیوں کو اور ایسی جنسی کام یابیوں کو تہذیبی زندگی کا جُز مانتا تھا۔ آج ہم اپنے زمانے میں بیٹھ کر جو بھی کہیں اور اخلاقیات کے جس سبق کو چاہیں دُہراتے رہیں، مگر اُس معاشرے کے آداب واطوار بالکل مختلف تھے۔ اُس تہذیب میں ایسے سارے مظاہر کی حیثیت زندگی کے لازمی حسین اجزا کی تھی اور اِن سے لطف اندوز ہونا خوش ذوقی کی پہچان تھی۔ شوق اِس قدر تنگ نظر، تہذیب ناآشنا اور زندگی بیزار نہیں تھے کہ اُس معاشرے میں ناصحِ ناداں اور واعظِ کم فہم بن کر اپنی بد ذوقی کا اعلان کرتے۔ راہِ نجات لکھنے والے اور فریبِ عشق اور بہارِ عشق لکھنے والے الگ الگ راہوں کے راہی ہوتے ہیں۔ معاشرے میں گنجایش دونوں کے لیے ہوتی ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ شاعر کی حیثیت واعظ سے برتر ہوتی ہے۔ معاشرے کی عکاسی شاعری میں مل سکتی ہے، پند و وعظ میں نہیں اور اِس لحاظ سے شوق کی برتری مسلّم ہے کہ وہ اپنے معاشرے کے بعض حسین ترین اجزا کا بہترین عکّاس ہے۔ اُس کی شاعری جیسی بھی ہے، ہے وہ سچّی کہ اپنے معاشرے کی آئینہ داری کرتی ہے۔ جیسا وہ معاشرہ تھا، اِس شاعری کو بھی ویسا ہی ہونا چاہیے تھا اور یہ ویسی ہی ہے۔ اِسے رسمی اخلاقیات کے پیمانے سے ناپنا، خوش ذوقی کی جان پر ستم ڈھانا ہے۔ ہاں اِس میں ذرا بھی شک نہیں کہ شوق کی یہ مثنویاں اپنے زمانے کی معاشرت کی آئینہ دار ہیں۔ اُس زمانے میں لذت کوشی اور عیش اندوزی معاشرے کا جُز بن چکی تھی۔ گفتگوے صاحباتِ محل کے پس منظر میں اُس معاشرت کے وہ سارے انداز جھلکتے نظر آتے ہیں جو تہذیب کا چمک دار حصّہ تھے اور یہ اِن مثنویوں کا بہت روشن پہلو ہے اور یہ بڑے کمال کی بات ہے کہ شاعر کا اصل مقصد تو صرف خواتین کی زبان و بیان کی بہار

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:22
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

زبان اور بیان

شوق کی زبان پر گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ہمیں چند باتوں کو ذہن میں ضرور رکھنا چاہیے۔ ایک تو یہ کہ شوق اور اُن کی قبیل کے دوسرے لکھنوی مثنوی نگار شعرا [جیسے قلق] کی زبان، اُس عہد کے دوسرے لکھنوی شاعروں، خاص کر غزل گو شاعروں کی زبان سے مختلف ہے۔ غزل ہی نہیں، یہ مرثیے کی زبان کے عمومی انداز سے بھی مختلف ہے۔ مرثیے سے یہاں میری مراد میر انیس کے مرثیوں سے ہے۔ اہلِ ذوق کا اِس پر اتفاق ہے کہ انیس کے مرثیوں میں زبان کا اور بیان کا جو انداز ہے؛ وہ سلاست، فصاحت اور حُسنِ بیان کے لحاظ سے منفرد ہے اور شوق کی مثنویوں کی زبان اُس سے بھی مختلف ہے۔ زبانِ لکھنؤ کے جس لوچ، جس نزاکت اور لطافت کا حوالہ دیا جاتا ہے، وہ دراصل شوق [اور اُن جیسے لکھنوی مثنوی نگار شعرا] کی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس زبان میں صلابت کے اجزا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اِس میں وسعتِ بیان کے امکانات کم سے کم ہیں؛ لیکن ایک چھوٹے سے دائرے کے اندر یہ زبان لطیف تر، حسین تر اور نفیس تر ہے۔

لکھنؤ کی یہ نئی لسانی روایت، یا یوں کہیے کہ شعری روایت اُس دہلوی روایت سے بھی مختلف ہے جو میر، اثر اور مومن کی مثنویوں میں سامنے آتی ہے۔ موضوع کے لحاظ سے دیکھا جائے تو میر، اثر اور مومن کی مثنویوں میں اور شوق کی مثنویوں میں زیادہ فرق نہیں، یوں کہ اِن سب کا محور اور مرکزی نقطہ جسم اور جنس ہی ہے۔ اِس کے باوجود بیان اور زبان کے لحاظ سے بہت فرق ہے۔ دونوں دہلوی شاعروں کی مثنویوں میں عورتوں کے مکالمے کم نہیں؛ مگر وہ خود عورتوں کی زبان میں کم ہیں، مومن اور اثر کی زبان اور طرزِ گفتگو اُن پر چھایا ہوا ہے۔ اختلاط کے بیان میں مومن کے یہاں تفصیل نگاری عمدہ ہے، لیکن شوق کے یہاں "زبانِ صاحباتِ محل" کی جو وسعت ہے، نسوانی لہجے کا جو ریشمی پن ہے، جیسی لچک ہے، جو لوچ ہے، وہ وہاں نہیں۔

لکھنؤ کی لسانی روایت کا سلسلہ عام طور پر ناسخ سے جوڑا جاتا ہے۔ یہاں دوسرے متعلقات سے قطعِ نظر کرتے ہوئے صرف اِس طرف توجہ دلانا ہے کہ زبانِ لکھنؤ کی جس نرمی،

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:22
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

شفافیت اور لطافت کا حوالہ دیا جاتا ہے، وہ دراصل شوق [اور اُن کے ہم مشرب شاعروں] کے یہاں ملتی ہے۔ ناسخ اور اُن کے تلامذہ اور متبعین کے یہاں نہیں۔ ناسخ اور اُن کے متعلقین اور مقلدین کی زبان، غزل کی زبان ہے جس میں صلابت زیادہ ہے، ثقالت بھی ہے اور لوچ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ناسخ کی مثنویوں کا بھی یہی احوال ہے۔ یہ نرمی اور یہ نفاست شوق کی مثنویوں کے واسطے سے زبانِ لکھنؤ کا جزو بنی ہے۔ اِسی بات کو سرور صاحب نے اپنے انداز سے یوں کہا ہے، "لکھنؤ کی تہذیب کا تکلف ناسخ کے یہاں، اُس کی مذہبیت انیس کے یہاں اور اُس کا لوچ اور اُس کی نزاکت شوق لکھنوی کے یہاں ہے" [مسرت سے بصیرت تک، ص ۴۸]۔

یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ لکھنؤ میں ابتداءً شعری زبان کا عمومی انداز وہی تھا جو دہلی سے آیا تھا۔ بادشاہت کے آنے کے ساتھ یہاں زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں امتیازات کی نمود ہوئی اور فروغ حاصل ہوا۔ شعری روایتوں کا بھی یہی احوال رہا؛ اِس کے باوجود عظیم المرتبت مہاجر شعرائے دہلی کے واسطے سے دہلوی زبان کے اثرات بالکل ختم نہیں ہوئے، بعض گوشوں میں وہ ذرا سے تغیر کے ساتھ کارفرما رہے۔ شوق کی مثنویوں کے لسانی مطالعے سے واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُن کے یہاں آخر تک تقریباً وہ سارے عناصر کارفرما رہے جن کو زبانِ دہلی یا زیادہ بہتر لفظوں میں طرزِ دہلی سے قریب کی نسبت حاصل تھی۔ [ضمیمہ ۲ میں ایسے اجزا کو وضاحت اور تفصیل کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے]۔

دوسری طرف میر اثر کی مثنوی اور مومن کی مثنویوں میں روزمرہ کا وہ لطف، محاورے کی وہ چٹک اور بیان کی وہ لطافت نہیں ملتی جو شوق کی مثنویوں کے خصوصی حوالے سے اِس لکھنوی روایت کا خاص حصہ ہے۔ اِس اعتبار سے شوق کی زبان دہلی اور لکھنؤ کے بہترین لسانی اجزا کا مرکب ہے اور عطرِ مجموعہ۔

یہ بات خاص طور پر کہنے کی ہے کہ لکھنؤ کی یہ نئی لسانی روایت مثنویوں میں پھلی پھولی۔ اِسے فریبِ عشق اور بہارِ عشق جیسی مثنویوں ہی میں فروغ حاصل ہو سکتا تھا، یوں کہ خواتین کی گفتگو کے جس قدر اجزا ایسی مثنویوں میں شامل ہو سکتے تھے، وہ

147
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:22
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

کسی اور صنف میں شامل نہیں ہو سکتے تھے اور انھی اجزا نے بیان میں لطافت اور نفاست کو سمویا ہے۔ میں ایک مثال سے اس کی وضاحت کرنا چاہوں گا۔ تاثیر کے لحاظ سے زہرِ عشق کا مرتبہ باقی دونوں مثنویوں سے بلند اور بلند تر ہے۔ یہ درد و غم کی کہانی ہے۔ اس کا آخری حصہ، جو دُنیا کی ناپایداری کے بیان پر مشتمل ہے، جانِ سخن کی حیثیت رکھتا ہے؛ لیکن زبان اور بیان کے لحاظ سے یہ باقی دونوں مثنویوں کے برابر کی نہیں۔ زبان کے حُسن اور بیان کی خوبی کے لحاظ سے بہارِ عشق درجۂ اوّل کی مثنوی ہے، اُس کے بعد فریبِ عشق ہے۔ فریبِ عشق میں بھی مکالماتی حُسن کی کمی نہیں، اُس میں بھی روزمرہ اور محاورے کی چاشنی ہے؛ لیکن بہارِ عشق کے مقابلے میں یقیناً کم ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ بہارِ عشق کے بڑے حصّے پر ہیروئن کے مکالمے چھائے ہوئے ہیں۔ اِس وسعت اور طول کلامی نے خواتین کے روزمرہ اور محاورے کے لیے زیادہ گنجایش پیدا کر دی ہے۔ فریبِ عشق میں ہیروئن کے مکالمے بہارِ عشق کے مقابلے میں کم ہیں، اُسی نسبت سے اُس میں محاورے اور روزمرہ کا حصّہ بھی کم ہے۔ مکالمے فریبِ عشق کے بھی برجستہ اور عمدہ ہیں، خواتین کی زبان کا حُسن اُس میں بھی کم نہیں؛ مگر ہیروئن کے بیانات نے بہارِ عشق کے مقابلے میں کم جگہ پائی ہے، اِس لیے زبان اور بیان کی خوبیوں کا دائرہ بھی چھوٹا رہا ہے۔

میں یہاں مثنویاتِ شوق سے حُسنِ بیان اور لطفِ زبان کی مثالیں پیش کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ مثنویاں موجود ہیں، اُنھیں کہیں سے دیکھ لیا جائے، اِس کی وضاحت ہو جائے گی۔ اِس کے بجائے میں شوق کی زبان اور بیان کے بعض اور اجزا کی طرف نہایت اختصار کے ساتھ اشارے کرنا چاہوں گا اور محض اظہارِ مدّعا کے لیے چند مثالیں بھی پیش کی جائیں گی۔ اِس سلسلے میں یہاں کم سے کم مثالوں سے اِس لیے کام لیا گیا ہے کہ ضمیمہ میں بہت سی مثالیں یک جا کر دی گئی ہیں۔

شوق کی تینوں مثنویوں میں نمایاں رعایتِ لفظی کی مثالیں کم ہیں۔ جو مثالیں ملتی ہیں، اُن میں سے بیش تر فریبِ عشق اور بہارِ عشق میں ہیں۔ اِن میں اکثر مثالیں ضلع کی ہیں۔ شوق نے جو زمانہ پایا تھا، اُس میں لفظی مناسبات کا چلن عام تھا۔ اِس کے باوجود شوق

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:22
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

کے یہاں صنائعِ لفظی و معنوی اور مناسباتِ لفظی نے کم سے کم جگہ پائی اور یہ اچھا ہی ہوا۔ اگر اِن کی کثرت ہوتی تو پھر وہ خوبیاں بے نور ہو جاتیں جنھوں نے اِن مثنویوں میں زبان اور بیان کے حُسن کو چمکایا ہے۔ شاعری میں صنعت گری کا اوسط جب بڑھ جاتا ہے، تو حُسنِ بیان اور روانیِ کلام کا رنگ بگڑ جاتا ہے۔ ایسی قابلِ ذکر مثالیں درجِ ذیل ہیں:

باولی ہو جو تیرے فقرے میں آئے — چاہ میں جان اپنی کون گنوائے [۹۸۵]
کسی یوسف کی تھی نہ ہرگز چاہ [۴۳۶]

دل سے وہ بحرِ حسن پیارا تھا — سیرِ دریا سے خود کنارا تھا [۵۸۲]
رنج کس شعلہ رو کا کھاتے ہو — شمع کی طرح پگھلے جاتے ہو [۱۳۳۶]
ذکرِ الفت سے جلتے بھنتے تھے — کبھی واسوخت تک نہ سنتے تھے [۴۴۶]
دامِ الفت میں ہم نہ پھنستے تھے [۴۴۸]
دل اُلجھتا تھا ذکرِ گیسو سے [۴۴۱]

لطفِ گلشن سے ہر شجر ہے نہال — [شجر، نہال۔ گلشن، شجر، نہال] [۱۱۲]
تازہ گُل پھولا، خوش کمال ہوئی — باغ میں آ کے میں نہال ہوئی [۳۱۸]
حال اوّل سے یہ نہ تھا ظاہر — کہ اِسی غم میں ہوں گے ہم آخر [۴۵۵]
کوئی گل رو جو دیکھا پھول گئے [۹۰۰]

گوشِ فریادِ قلب سُننے لگے — خود بہ خود ہاتھ پاؤں دُھننے لگے [۱۳۷۲]
سر بہ سر ہاتھ پاؤں دُھنتے تھے [۱۱۷۲]

مو بہ مو زلفِ یار کا تھا اسیر — ناتوانی تھی پاؤں کی زنجیر [۱۱۴۶]
عیش باغِ جہاں کے بھول گئے — دفعۃً ہاتھ پاؤں پھول گئے [۴۸۵]
سب خزاں تھی بہار آنکھوں میں — سارا گلشن تھا خار آنکھوں میں [۵۸۳]
مردوا ہوئے نوج اِس گت کا — جیسے دھونسا نگوڑا نوبت کا [۳۳۵]
سن کے یہ بھبتی میں نے اُس سے کہا — اب یہ نوبت ہوئی ہماری، بجا [۳۳۶]
بولی، چپ رہیے، منہ کی کھائیے گا — اک ذرا سینک کر بجائیے گا [۳۳۷]

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:22
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

نامِ افیوں کا سُن، وہ لالہ عذار　　بولی، اچھے نہیں ہیں یہ کردار　　[۲۱۲ے]

"لالہ" معروف سُرخ پھول ہے جس سے رخسارِ محبوب کو تشبیہ دی جاتی ہے۔ "لالہ عذار" میں یہی تشبیہی نسبت ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ "لالہ" پوستے کے پھول کو بھی کہتے ہیں، وہ بھی سرخ ہوتا ہے اور اُس کے ڈوڈے میں سیاہ مادّۂ افیون جمع ہوتا ہے۔ اِس شعر میں "افیون" اور "لالہ" میں یہی نسبت ہے۔ رجب علی بیگ سُرورؔ نے فسانۂ عجائب کے دیباچے میں لکھا ہے: "افیون فیض آبادی گلاب باڑی والے لالے کی وہ رنگین جس نے تریاکِ مصر کے نشے کرکرے کیے" [فسانۂ عجائب، مرتبۂ راقم الحروف، طبعِ دوم، ص ۹]۔

ایک قابلِ ذکر بات یہ بھی ہے کہ مرکبات اِن مثنویوں میں اچھی خاصی تعداد میں ملتے ہیں۔ کچھ مرکبات میں تو اُردو پن نمایاں ہے اور عورتوں کی گفتگو میں ذرا بھی بے جوڑ نہیں لگتے، بل کہ اِن سے زبان کا لطف بڑھ گیا ہے، جیسے: فیل باز، سیر باز، فقرے باز، فقرے بازیاں، دیدہ دانستہ، دیدہ دَلیل، فیلیا پن، ہر دیگی چمچہ۔ مگر اِن کی تعداد زیادہ نہیں۔ عام فارسی مرکبات اچھی خاصی تعداد میں ملتے ہیں اور یہ عموماً راوی کے بیان [یعنی مردانہ گفتگو] میں آئے ہیں، جیسے: عشقِ جاں گداز (۱۱)، قفسِ طائرانِ تیز زباں (۱۱۸)، گنہ گاریِ خدا (۵۴)، خضرِ طریقِ عشق (۶۲)، خوش غلاف (۱۳۹)، طالبِ صورتِ حسیں (۳۷۷)، تاجِ فرقِ پیمبرانِ سلف (۳)، اختلالِ حواس (۱۱۳۴)، گریۂ چشمِ خوں چکاں (۶۲۲)، خندۂ زخمِ عاشقاں (۶۲۲)، پوشاکِ جسمِ دلبر (۶۲۳)، نگاہِ وحدت بیں (۱۲۵۰)، آفتِ روزگار (۸۴)، خوش اسلوب (۴۱)، خوش جمالی (۲۷)، خوش ظاہر (۲۵)، بعدِ قول وقرار (۳۰۸)۔

زہرِ عشق میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ایسی فارسی ترکیبیں ہیروئن کی زبان سے ادا کرائی گئی ہیں جو بہ طورِ عموم خواتین کی زبان میں نہیں ملتیں۔ ایسی ترکیبیں مثنوی کے نصفِ آخر میں، جہاں ناپایداریِ دنیا کا بیان ہے، آئی ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ شوقؔ نے اپنی زبان ہیروئن کے منہ میں رکھ دی ہے۔

صُبح کو طائرانِ خوش الحان　　پڑھتے ہیں کُلُّ مَن علیہا فان

150
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:22
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

ایسے شعر پڑھ کر صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شوق بول رہے ہیں ؛ مگر پڑھنے والے کے ذہن میں کھٹک نہیں پیدا ہوتی ۔ اِس کی بہ ظاہر دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مثنوی کا یہ حصّہ اِس قدر پُر اثر ہے کہ اِس کو پڑھتے وقت آدمی اور سب کچھ بھول جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ موضوع بجائے خود ایسا ہے جس کو "گفتگوے صاحباتِ محل" میں اچھی طرح ادا کرنا مشکل ہے۔ اِسی لیے اِس حصّے میں فارسی ترکیبوں کا اوسط کچھ زیادہ ہے، مگر اِنھی وجوہ سے وہ بے جوڑ نہیں معلوم ہوتیں۔ [اِس سلسلے میں مزید دیکھیے اِسی مقدمے میں "کیا یہ مثنویاں شوق کی سرگذشت ہیں" کے تحت]۔

مصدر کے ساتھ اگر اسمِ مونث ہے تو علامتِ مصدر "نا" بدل کر "نی" کی شکل میں ملتی ہے، جیسے : رات کٹنی۔ دہلی میں شروع ہی سے یہی قاعدہ کارفرما رہا ہے کہ اسمِ مذکر و مونث کی نسبت سے علامتِ مصدر "نا" یا "نی" آتی ہے جیسے : پانی پینا اور چلے پینی۔ لکھنؤ میں بھی شروع میں یہی صورت تھی۔ بعد کو بیش تر اساتذۂ لکھنؤ کا عمل یہ رہا ہے کہ علامتِ مصدر "نا" کسی بھی شکل میں نہیں بدلے گی، جیسے : کتاب پڑھنا اور خط پڑھنا۔ [اِس سلسلے میں ضروری وضاحت کے لیے دیکھیے مقدمۂ نور اللغات جلدِ اوّل، بحثِ متروکات، اور فرہنگِ اثر، بحثِ متروکات]۔ داغ کے مشہور شاگرد مہر گوالیاری کے دیوان شعاعِ مہر میں ایک طرحی مشاعرے کی غزل ہے جس کے ردیف و قوافی سحر ہونا، خبر ہونا، اثر ہونا (وغیرہ) ہیں، اُس کا مقطع ہے :

یہاں ہیں مہر اہلِ لکھنؤ بھی اہلِ دہلی بھی یہ کہتے ہیں سحر ہونی، وہ کہتے ہیں سحر ہونا

شوق کے یہاں پُرانا دہلوی انداز ملتا ہے کہ اسمِ مونث کے ساتھ "نا" علامتِ مصدر "نی" بن گئی ہے، مثلاً :

تھی جو قسمت میں ہونی آبادی [۱۲۳۷]
عمر کٹنی تھی ایسے صدمے میں [۱۷۷۳]
رات کٹنی محال ہوتی ہے [۶۴۴]

مندرجۂ ذیل شعر میں "نے" کا استعمال پُرانے دہلوی انداز کی یاد دلاتا ہے :

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:23
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

حُسن کے معاملے میں نے یہ تقریر ؁ چپ رہا پہلے صورتِ تصویر [۱۱۹۹]

نے" کا اِس طرح استعمال اُس عہد کی بعض دیگر لکھنوی تصنیفات میں بھی ملتا ہے، مثلاً "شہزادۂ الی تبار نے آب و طعام دیکھ کر رو دیا" [فسانۂ عجائب، مرتبۂ راقم الحروف، ص ۲۶۸]۔

آشنا، دوست آ گئے جو کبھو ؁ جس نے دیکھا، نکل پڑے آنسو [۳۱۸]

کبھو" بھی زبانِ دہلی کی یادگار ہے۔ اعلانِ نون کی جو مثالیں ملتی ہیں، وہ بھی دراصل زبانِ دہلی کی یادگار ہیں، تشنۂ خون ہو گئیں فی الفور [۲۵۸]، صبح کو طائرانِ خوش الحان [۱۳۹۷]۔

سمجھو اِس کو شبِ برات کی رات ؁ ہم ہیں مہماں تمھارے رات کی رات [۱۵۶۳]۔

شب برات کی رات" کا بہ ظاہر تو جواز نظر نہیں آتا، لیکن یہ ٹکڑا ہیروئن کی زبان سے ادا ہوا ہے اور اِس نسبت سے شوق کے اُس قول کا یہاں حوالہ دیا جا سکتا ہے کہ زبان صاحبات محل میں جو الفاظِ غلط اُن کی زبان پر تھے، اُن کو اُسی طرح نظم کیا گیا ہے اور اُنھیں صحیح سمجھا گیا ہے [اِسی مقدمے میں "مطبوعہ نسخے" کے ذیلی عنوان کے تحت شوق کی مکمل عبارت نقل کر دی گئی ہے]۔

نہیں قابو میں ہے کسی کا دل ؁ بیٹھتے سب ہیں صاحبانِ محل [۱۶۹۳]

دل" اور "محل" کا قافیہ کہیں اور نظر سے نہیں گزرا۔ اِس کے جواز میں شاید یہ کہا جا سکے کہ لفظِ "مَحَل" عام طور پر زبانوں پر اِس طرح آتا ہے کہ ح میں کسرے کی لہر شامل ہو جاتی ہے [اِس کی ایک بہت اچھی مثال لفظِ "بہن" ہے، جو اصلاً بہ فتحِ سوم ہے، مگر زبانوں پر عموماً یہ بہ کسرِ سوم آتا ہے]۔ قافیے کا یہ انداز بھی دہلوی انداز کی یاد دلاتا ہے۔

فریبِ عشق کے متعلق مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے محوّلۂ بالا مضمون میں یہ رائے ظاہر کی ہے: "ممکن ہے نومشقی کے زمانے کی ابتدائی تصنیف ہو۔" میں اِسے نومشقی کے زمانے کی تصنیف تو نہیں کہہ سکتا، اِس لیے کہ ہیروئن کے مکالمے [جو اصل چیز ہیں] وہ کم جان دار نہیں؛ ہاں یہ ضرور ہے کہ سستیِ بندش، لفظی تعقید، الفاظ کے غیر مناسب استعمال اور محذوفات کا تناسب اِس میں کچھ زیادہ ہے۔ محض مثال کے طور پر اِن چند اشعار کو دیکھیے۔ پہلی دو مثالوں میں محذوف الفاظ کی کمی بُری طرح کھٹکتی ہے:

152
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

کہتی تھیں، وہ ہر اک سے ہنستا ہے — بات کرنے میں اُس سے پھنستا ہے [۱۲۵]
بعد، احمد کی مدح کر تحریر — کہ وہ دُنیا میں ہے خدا کا وزیر [۲۰]
جب تلک دل سے مبتلا ہیں یہ — نہیں پھر کس کی آشنا ہیں یہ [۲۶۰]
لطفِ صحبت ذرا نہیں تم کو — کیا غضب ہے، مزا نہیں تم کو [۲۰۸]
خالی اِس جرم سے حضور ہیں وہ — سچ تو یہ ہے کہ بے قصور ہیں وہ [۱۳۱]
جائے شکوہ ہے نہ شکایت ہے — اِس میں بھی اپنی اپنی قسمت ہے [۵۱]
خوش گزرتے تھے اِس طرح ایام — عیش رہتا تھا صبح سے تا شام [۲۰]
حکم احکام سب بجا تی ہے — وہی ہر بار آتی جاتی ہے [۷]
بس خرابی نہ کر زیاد اپنی — فصد لے بانیِ فساد اپنی [۳۳۱]

لفظی تعقید اِن سب مثنویوں میں جگہ جگہ ملتی ہے اور کچھ مقامات پر تو بہت ناگوار گزرتی ہے، مثلاً،

تیرِ اُلفت جو تھا لگا کاری [۱۳۰۷]
ہوئی میری جو اُس کی چار نگاہ [۱۳۰۳]
دل کو اپنے کرو ملول نہیں [۱۵۴۴]
واسطے جس کے نالے کرتے ہو [۵۹۲]
تیرے پیچھے کی تلخ سب اوقات [۱۳۴۰]

کئی جگہ "نہ" کے محل پر "نہیں" ملتا ہے۔ میں صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں،

جھوٹ سمجھیں اِسے حضور نہیں [۱۴۱۶]
دل کو اپنے کرو ملول نہیں [۱۵۴۴]

کئی شعروں میں افعال کا استعمال توجہ طلب ہے، صرف ایک مثال،

آکے سمجھائے گا بجھائے گا کون — اِس طرح سے گلے لگائے گا کون [۱۵۹۸]

اب "سمجھانا بُجھانا" ایک ساتھ آتا ہے۔ ممکن ہے اُس زمانے میں اِس طرح بھی استعمال میں آتا ہو، مگر کوئی مثال میری یادداشت میں محفوظ نہیں۔ اِس کے علاوہ، الفاظ اور

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:23

فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

افعال کی بہت سی پرانی شکلیں اِن مثنویوں میں اچھی خاصی تعداد میں ملتی ہیں۔ ضمیمہ ۲ میں ایسی اکثر مثالیں یک جا کر دی گئی ہیں، اُسے دیکھا جا سکتا ہے۔ علاوہ بریں، متعدد لفظوں کو جس طرح لایا گیا ہے، اب اُن معنوں میں اُس طرح نہیں لاتے۔ صرف ایک مثال:

جو کہا تھا، ادا کیا اُس نے　　وعدہ اک دن وفا کیا اُس نے [۱۳۳۷]

وعدہ وفا کیا کے لیے "ادا کیا" میری نظر سے کہیں نہیں گزرا۔

جال میں اک نہ اک تو آئے گا　　کوئی تو اِس میں زخم کھائے گا [۹۹۱]

دوسرے مصرعے میں "اِس میں" پر نظر رُکتی ہے۔ "اس پر" کا محل ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اِن مثنویوں میں متعدد مقامات پر زبان اور بیان کے لحاظ سے عجز شاعرانہ کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ نظر اُن پر رُک جاتی ہے۔ میں یہاں صرف ایک مثال سے اِس کی وضاحت کروں گا۔ مثنوی زہرِ عشق کا شعر ہے:

آگ لگ جاتی وہ گھڑی کم بخت　　بام پر آئی تھی میں کون سے وقت [۱۶۶۶]

"وہ گھڑی کم بخت آگ لگ جاتی" یہاں بیان میں بہ ظاہر کچا پن ہے مگر اِس کے لیے بھی کہا جا سکتا ہے کہ خواتین کی زبان میں یہ اِسی طرح آتا ہے۔ ضمیمہ ۳ میں ایسی متعدد مثالوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اِن مثنویوں کا یہ پہلو بھی توجہ طلب ہے اور نظر میں رکھنے کا ہے۔ شوق کے یہاں حُسنِ بیان اور لطفِ زبان کی کمی نہیں، اُن کی شاعری کی عمومی سطح بہت روشن ہے، بندشیں چُست ہیں اور روزمرہ کی چمک کم نہیں، البتہ کچھ مقامات، مستثنا مقامات کی حیثیت رکھتے ہیں اور اُن کو بھی نظر میں رہنا چاہیے۔ شاید اِس کی ایک وجہ یہ ہو کہ شوق صرف شوقیہ مثنوی نگار شاعر تھے، اُس زمانے کے معروف غزل گو شعرا کی طرح اُستادانہ حیثیت نہیں رکھتے تھے اور زبان و بیان کے ریاض پر اُنھوں نے اُس قدر وقت صرف نہیں کیا تھا جس کی روایت اُس زمانے میں عام تھی۔ اِن سب باتوں کے باوجود، یہ واقعہ ہے کہ شوق کی زبان میں مجموعی طور پر جو لوچ، نرمی اور نفاست ہے، اُس کی مثال لانا مشکل ہے۔ مولانا حالی جیسے شخص نے، جو اِن مثنویوں کے "اَن مورل" ہونے پر بہت ناراض تھے، لکھا ہے: "جو کچھ اُس نے بیان کیا ہے، خواہ وہ مورل ہو، خواہ اَن مورل،

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

5:23
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اُس میں حُسنِ بیان کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ شاید ایسے ہی مواقع پر کہا جاتا ہے: جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔ اِس زبان کی اہمیت یہ ہے کہ لکھنؤ میں جو زمانہ طرزِ ناسخ کے فروغ کا ہے، اُس زمانے میں شوق نے اُس کے متوازی اُس طرز کو فروغ بخشا جس میں طرزِ ناسخ کے برخلاف لطافت اور لچک ہے۔ یہ معمولی کارنامہ نہیں۔ طرزِ ناسخ کی ہمہ گیری سے جو لوگ اچھی طرح واقف ہیں، اُن کو اندازہ ہوگا کہ عہدِ ناسخ میں کسی دوسرے طرز کے فروغ کے امکانات کس قدر کم تھے۔

طریقِ کار کلاسکی متون کی تدوین کے اِس سلسلے کی کتابوں [فسانۂ عجائب، باغ و بہار، گلزارِ نسیم] میں مقدمے کے مباحث کے لیے جن حدود کا تعین کیا گیا تھا، اِس کتاب میں بھی اُن کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ اُس بیان کے ضروری اجزا کو دُہرایا جائے۔ اِس سلسلے کی پہلی کتاب فسانۂ عجائب تھی، اُس کے مقدمے میں لکھا گیا تھا: تدوین کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی متن کو ممکن حد تک منشائے مصنف کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔ اِس میں بنیادی حیثیت صحتِ متن کی ہوتی ہے۔ یہ بات ضرور ذہن میں رہنا چاہیے کہ عبارت ہو، یا ایک جملہ، یا جملے کا ایک ٹکڑا؛ یہ سب الفاظ کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ اِس اعتبار سے ہر لفظ کا تعین مرتب کی ذمے داری ہے۔ لفظ مجموعہ ہوتا ہے حرفوں کا، اور یوں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر حرف کا تعین اِس ذمے داری میں شامل ہے۔ اِس لحاظ سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اجزائے الفاظ اور اُن کی صورت نگاری کے تعین کی صحتِ متن میں اصل حیثیت ہوتی ہے۔

متن کی کما حقہٗ تصحیح اور متعلقاتِ متن کی ترتیب کے لیے یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ تنقیدی مباحث کو شاملِ کتاب نہ کیا جائے۔ ویسے بھی تنقید اور تدوین دو الگ الگ موضوع ہیں؛ متضاد تو نہیں، مختلف ضرور ہیں۔ عام طور پر اِس غلط مبحث سے، یعنی مقدمۂ کتاب میں طویل تنقیدی مباحث کو شامل کرنے سے یہ نقصان ضرور ہوتا ہے کہ تنقید اور تدوین، دونوں کا حق ادا نہیں ہو پاتا۔ مرتب کا اصل کام یہ ہے کہ وہ متن کو صحیح طور پر پیش کرے اور اُس متن سے متعلق بحثوں کو مناسب تفصیل کے ساتھ لکھے، جس میں قابلِ ذکر حصہ تشریحی اور لسانی مباحث کا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

ہوگا۔ اُس کے فرائض میں یہ شامل نہیں کہ وہ تنقیدی رائے بھی دے۔ اِسی لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ اِس سلسلے کی زیرِ ترتیب کتابوں کے مقدّمے میں مفصّل تنقیدی مباحث کو شامل نہ کیا جائے۔ موضوع کی مناسبت سے ایسی کچھ ضروری باتیں اگر زیرِ تحریر آئیں، تو اُن کی حیثیت ضمنی ہے۔

تحقیق اور تدوین کا چولی دامن کا ساتھ ہے، مگر اِس سلسلے میں ایک بات خاص کر پیشِ نظر رہنا چاہیے کسی متن کی تدوین کے سلسلے میں اور کسی مصنّف پر مستقل طور پر تحقیقی مقالہ لکھنے کے سلسلے میں جو تحقیقی بحثیں کی جائیں گی، اُن کی وسعت کے دائرے مختلف ہوں گے۔ اِسی طرح یہ بات بھی کہ جو تحقیقی بحثیں اِس سے پہلے کی جاچکی ہوں اور وہ قابلِ قبول بھی ہوں اور اُن پر اضافہ بھی نہ کیا جاسکتا ہو، تو یہ مناسب نہیں ہوگا کہ اُن سب بحثوں کی مقدّمے میں تکرار کی جائے۔ اُن کا حوالہ کافی ہوسکتا ہے۔ اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ صرف نہایت ضروری باتوں کو اختصار کے ساتھ لکھا جائے اور تفصیلات کے لیے اصل مآخذ کا حوالہ دے دیا جائے، تو یہ طریقۂ کار بالکل درست ہوگا۔ اِس کتاب کے مقدّمے میں بھی یہی طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے، خاص کر مصنّف کے حالاتِ زندگی کے ذیل میں۔ شوق کے خاندانی حالات اور اُن کے سوانح لکھنا میرا مقصد نہیں، اِس لیے اِس سلسلے میں چند ضروری باتیں لکھ کر حوالے دے دیے گئے ہیں، البتہ ضمیمۂ تشریحات میں اشعار کے متعلقات کو ضروری وضاحتوں کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

مثنوی فریبِ عشق کے متن کی بنیاد نسخۂ مطبعِ آغاجان [۱۲۷۲ھ] کو بنایا گیا ہے۔ اِس مثنوی کا اِس سے بہتر اور اِس سے قدیم مطبوعہ نسخہ موجود نہیں، یعنی ہمارے علم میں نہیں۔ مثنوی بہارِ عشق کے نسخۂ مطبعِ محمّدی [۱۲۶۸ھ] کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ یہ مصنّف کا نظرِ ثانی کردہ نسخہ ہے، ایسے کسی اور نسخے کا علم نہیں۔ نسخۂ مطبعِ سلطان المطابع [۱۲۶۶ھ] کو، جو اِس مثنوی کی اشاعتِ اوّل ہے، معاون نسخے کے طور پر سامنے رکھا گیا ہے۔ مثنوی زہرِ عشق کا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:23
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

ترین مطبوعہ نسخہ ہے۔ صحتِ متن کے لحاظ سے بھی یہ بہتر اور معتبر نسخہ ہے، اِس بنا پر اِسی نسخے کو اساسی نسخے کی حیثیت سے سامنے رکھا گیا ہے۔

کتابت کی غلطیاں کم و بیش کی نسبت کے ساتھ ہر نسخے میں موجود ہیں۔ اُن کی تصحیح دوسرے نسخوں کی مدد سے کی گئی ہے۔ ضمیمۂ تشریحات میں ایسی ہر تصحیح کی لازماً نشان دہی کی گئی ہے۔ اساسی نسخوں میں جو شعر موجود نہیں، اُنھیں شاملِ متن نہیں کیا گیا۔ ایسے جملہ اشعار کی نشان دہی ضمیمۂ تشریحات میں کی گئی ہے۔ اساسی اور ضمنی، جملہ نسخہ ہائے مثنویات کی تفصیل مقدمے کے عنوان "مطبوعہ نسخے" کے تحت پیش کی گئی ہے۔

اشعار پر نمبر شمار لکھے گئے ہیں، اِس کے دو مقصد ہیں۔ ایک تو یہ کہ ضمیمۂ تشریحات میں اشعار کا حوالہ دیا جا سکے اور شعر کو نقل کرنا ضروری نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اِس طرح جملہ اشعار کی صحیح تعداد بھی بہ یک نظر سامنے آ سکے۔ یہ نمبر شمار ہر شعر کے آغاز میں دائروں کے اندر ہیں۔ مثنوی فریبِ عشق کے آخری شعر تک تو ایک ہی نمبر شمار ہے۔ مثنوی بہارِ عشق سے دُہرے نمبروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اِس طرح کہ ہر دس شعروں کے بعد دائرے میں اوپر کا نمبر، مسلسل نمبر شمار ہے اور نیچے کا نمبر اُس مثنوی کا نمبر شمار ہے۔ مثلاً مثنوی بہارِ عشق کے آغاز ہی میں ایک شعر پر نمبر شمار اِس طرح مرقوم ہے: (۴۲۸/۱۰)۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شعر مسلسل شمار کے لحاظ سے اِس مجموعے کا چار سو اٹھائیسواں شعر ہے اور مثنوی بہارِ عشق کا دسواں شعر ہے۔ ضمیمۂ تشریحات میں اشعار کے مسلسل نمبر شمار درج کیے گئے ہیں۔ اِس سے متعلقہ شعر کو تلاش کرنے میں آسانی ہوگی۔

ضمیمۂ تشریحات میں خاص کر بہت سے مقامات پر مثنویات کے اہم نسخوں کے حوالے کے لیے مخففات کو بھی استعمال کیا گیا ہے، اُن مخففات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ فریبِ عشق، نسخۂ مطبعِ آغا جان فیضی، ۱۲۷۲ھ : ف
۲۔ بہارِ عشق، نسخۂ سلطان المطابع، ۱۲۶۶ھ : س
۳۔ " " ، نسخۂ محمدی، ۱۲۶۸ھ : م

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:23
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

۴۔ بہارِ عشق، نسخۂ مطبعِ علوی علی بخش خاں، ۱۲۷۷ھ : خ
۵۔ " " نسخۂ مطبعِ گلزارِ اودھ، ۱۲۸۳ھ : گلزار
۶۔ مثنوی زہرِ عشق، مطبعِ شعلۂ طور کان پور، ۱۸۶۲ء : ش
۷۔ " " نسخۂ نظامی بدایونی، ۱۹۲۰ء : ن
۸۔ " " مطبعِ نامی گرامی : نامی
۹۔ مجموعۂ مثنویاتِ شوق، نول کشور لکھنؤ، ۱۸۷۱ء : نول کشور، نسخۂ نول کشور، نول کشوری اڈیشن، ل۔
۱۰۔ کلیاتِ شوق، مرتبۂ شاہ عبدالسلام، ۱۹۷۸ء : ع

مثنویاتِ شوق کے پرانے نسخوں میں، اُس زمانے کی عام روش کے مطابق، آخرِ لفظ میں واقع یائے معروف و مجہول، نیز ہائے ملفوظ و مخلوط کی کتابت میں امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ اکثر صورتوں میں آخرِ لفظ میں واقع نونِ غنہ پر نقطہ ملتا ہے۔ اعراب یا حروف کے پرانے قاعدے کے مطابق زائد واؤ اور ی بھی ملتے ہیں [جیسے: اوس کو (اُس کو)، آئینہ (آئنہ)، میرے (مرے)، پہونچا (پہنچا) وغیرہ]۔ لفظوں کو ملا کر اور الگ الگ لکھنے کے سلسلے میں بھی کسی طرح کا التزام نہیں ملتا۔ اضافت کے زیر عموماً نہیں ملتے اور یہی حال تشدید کا ہے اور رموزِ اوقاف بھی بہ طورِ عموم نظر نہیں آتے۔

ایسے جملہ مقامات پر ضروری امتیازات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ہائے مخلوط کو لازماً دو چشمی شکل میں لکھا گیا ہے۔ اسی طرح آخرِ لفظ میں واقع معروف اور مجہول ی میں کتابت کے امتیاز کی پابندی کی گئی ہے۔ نونِ غنہ کو جو آخرِ لفظ میں ہو، التزاماً نقطے کے بغیر لکھا گیا ہے۔ اضافت کے زیر پابندی کے ساتھ لگائے گئے ہیں اور مشدد حرفوں پر تشدید کو بھی التزام کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ "اوس" اور "اون" کو "اُس" اور "اُن" لکھا گیا ہے۔ اسی طرح اِس، اِسے، اِن، اِن کو [وغیرہ]۔ مرکبات کو الگ الگ لکھا گیا ہے، جیسے: دل کشا، دل چسپ [وغیرہ]۔ اسی طرح اس کو، ان کے لیے، مجھ کو، مجھ سے [وغیرہ]۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:24
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

جن لفظوں کے آخر میں ہائے مختفی ہے [جیسے: درجہ، مرتبہ] محرف صورت میں التزام کے ساتھ اُس ہ کی جگہ ے لکھی گئی ہے [جیسے: درجے میں، مرتبے کا]۔ ہائے ملفوظِ متصل کے نیچے شوشہ [جو اُس کی پہچان ہے] ضرور لگایا گیا ہے [جیسے: ہونا، توجہ، بہت]۔

ضروری مقامات پر اعراب بھی لگائے گئے ہیں اور معروف، مجہول، غنہ آوازوں کے تعین کے لیے حسبِ ضرورت علامات کو بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اِن علامات کی تفصیل یہ ہے:

درمیانِ لفظ واقع یائے معروف کے نیچے چھوٹی سی کھڑی لکیر، جیسے میل۔

یائے لین کے لیے حرفِ ماقبل پر زبر، جیسے: مَیل۔

یائے مجہول کے لیے حرفِ ماقبل کے نیچے زیر، جیسے: مِیل۔

یائے مفلوطا کے لیے اُس پر آٹھ کے ہندسے جیسا نشان، جیسے: پیار۔

واوِ معروف پر اُلٹا پیش، جیسے: چُور۔

واوِ مجہول کے لیے حرفِ ماقبل پر پیش، جیسے: چُور۔

واوِ معدولہ کے لیے اُس کے نیچے لکیر، جیسے: خویش۔

واوِ ماقبل مفتوح کے لیے حرفِ ماقبل پر زبر، جیسے: جَور۔

درمیانِ لفظ واقع نونِ غنہ پر قوس کا اُلٹا نشان، جیسے: ماند۔

تخلص کا متعارف نشان ضرور لگایا گیا ہے، جیسے: شوقؔ۔ خاص ناموں پر خط لازماً کھینچا گیا ہے، جیسے: حیاتِ شوقؔ، لکھنؤ، عطاء اللہ پالوی، نور اللغات۔

علامتوں کے سلسلے میں اِس تصور کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ وہ کم سے کم ہوں اور صرف ضروری مقامات پر اُن سے کام لیا جائے۔ یہی صورت اعراب کی ہے۔

توقیف نگاری کا التزام بھی ملحوظ رہا ہے۔ اِس سلسلے میں مندرجۂ ذیل رموزِ اوقاف سے کام لیا گیا ہے: سکتہ، یعنی کاما (،)، وقفہ، یعنی سیمی کولن (؛)، بیانیہ، یعنی کولن (:)، ندائیہ [ندا، تحسین، تاسف اور تعجب کے لیے] (!)، استفہامیہ (؟) اور ختمہ، یعنی ڈیش (-)۔ جن لفظوں کے اعراب، تلفظ یا املا میں کوئی بات قابلِ ذکر یا وضاحت طلب ہے، اُن سے متعلق ضمیمۂ تلفظ و املا میں ضروری صراحت کر دی گئی ہے۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:24
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

قیاسی تصحیح ——— : اِس سلسلے میں میرا طریقۂ کار یہ رہا ہے کہ ممکن حد تک اصل متن میں مداخلت نہ کی جائے۔ اگر مفہوم نکل سکتا ہے یا ذرا سی تاویل کے ساتھ اُس کا تعین کیا جا سکتا ہے، تو پھر اصل متن میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں کی جانا چاہیے۔ اگر واضح طور پر غلطیِ کتابت ہو تو یقیناً اُس کی تصحیح کی جانا چاہیے، کیوں کہ صحیح متن پیش کرنا مرتّب کی ذمّے داری ہے۔ یا پھر متعلّقاتِ متن [مختلف لفظی اور معنوی نسبتیں اور رعایتیں بھی اِس میں شامل ہیں] کسی مقام پر مختلف نسخوں میں سے کسی خاص نسخے کے متن کی ترجیح کو نمایاں کر رہے ہوں، اُس صورت میں اگر اساسی نسخے [یا نسخوں] کے مقابلے میں کسی دوسرے نسخے کے متن کو ترجیح دی جائے، تو مقدمے میں یا حواشی میں اُس کی مکمل طور پر نشان دہی کی جانا چاہیے۔ کتابت کی غلطی کی تصحیح ہو یا متن کی ترجیحی صورت ہو، دونوں کی مکمل نشان دہی لازماً کی جانا چاہیے۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ قیاسی تصحیح بہت سی صورتوں میں ذاتی پسند بن کر نمایاں ہوتی ہے۔ یہ قطعی طور پر ناقابلِ قبول ہے۔ زمانے کے گزرنے اور زبان اور ذوق کی تبدیلیوں کے نتیجے میں شخصی پسند و ناپسند کو قدیم متنوں میں اگر جگہ مل جائے تو اصل متن میں تبدیلیوں کے امکانات بہت بڑھ جائیں گے اور تدوین کی زبان میں اُسے تحریف کہا جائے گا۔ مرتّب کو اِس کا حق حاصل نہیں کہ موجودہ زبان اور ذوق کی رعایت سے وہ قدیم لفظوں کو یا عبارتوں کو بدل دے۔ مثلاً "بادشائی" کو اگر "بادشاہی" سے بدل دیا جائے [اور ایسا کیا گیا ہے، دیکھیے اختلافِ نسخ] تو اِسے قطعی طور پر ناقابلِ قبول قرار دیا جائے گا، یا ایسی ہی اور تبدیلیاں۔

میں نے اِس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے کہ ممکن حد تک اساسی نسخوں کے متن کو نہ بدلا جائے، اُس میں کوئی ترمیم یا تبدیلی نہ کی جائے۔ ہاں جن مقامات پر واضح طور پر غلطیِ کتابت ہے، تو دوسرے نسخوں کی مدد سے اُس کی تصحیح کی گئی ہے اور اختلافِ نسخ یا ضمیمۂ تشریحات میں اُس کی لازمی طور پر نشان دہی کی گئی ہے۔ اِسی طرح جن چند مقامات پر نہایت درجہ واضح طور پر اساسی نسخوں کے مقابلے میں دوسرے قابلِ ذکر

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

5:24
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

نسخوں کا متن ترجیحی حیثیت رکھتا ہے، ایسے مقامات پر ترجیحی صورت کو اختیار کیا گیا ہے اور ضمیمۂ تشریحات میں اُس کی وضاحت کی گئی ہے؛ لیکن اِس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اساسی نسخوں کے متن کو ممکن حد تک برقرار رکھا جائے اگر مفہوم کے تعین کی صورت نکل سکتی ہو۔ قیاسی تصحیح سے میں نے بہت کم کام لیا ہے، اِس لیے کہ یہ میرا تجربہ ہے کہ قیاسی تصحیح اکثر صورتوں میں شخصی پسند و ناپسند کی دوسری شکل ہوتی ہے اور میرے لیے یہ ناقابلِ قبول ہے۔ مرتّب کو تصحیح کا حق ہے، اصلاح کا نہیں۔ یہ دونوں بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ تصحیح، غلطی کی ہوتی ہے اور اصلاح، تبدیلی کا دوسرا نام ہے۔ مرتّب کو اصلاح کا حق کسی بھی شکل میں حاصل نہیں، وہ صرف ضروری مقامات پر تصحیح کر سکتا ہے اور یہ اُس کی ذمّے داری ہوگی کہ جملہ تصحیحات کی نشان دہی کرے۔ اِس سلسلے کی پچھلی تین کتابوں [باغ و بہار، فسانۂ عجائب، گلزارِ نسیم] میں اِسی طریقِ کار کو اپنایا گیا تھا اور اِس کتاب میں بھی اِس کی پابندی کی گئی ہے۔

مثنویاتِ شوق کے مختلف موخر نسخوں میں بہت سے ذیلی عنوانات بھی ملتے ہیں [اِن کا ذکر اِسی مقدمے میں آچکا ہے]۔ قدیم نسخوں میں یہ عنوانات موجود نہیں۔ یہ بعد والوں کی کارگزاری ہے کہ عام پڑھنے والوں میں دل چسپی پیدا کرنے کے لیے ذیلی عنوانات قائم کیے۔ چوں کہ قدیم نسخے اِن سے خالی ہیں، اِس لیے ایسے کسی ذیلی عنوان کو شامل نہیں کیا گیا؛ البتہ یہ ضرور کیا گیا ہے کہ مختلف مقامات پر، جہاں ایک بات ختم ہوتی ہے اور دوسری بات شروع ہوتی ہے، وہاں ایک سطر کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے تاکہ وصل اور فصل کی نشان دہی خود بہ خود ہو جائے اور متن میں کسی طرح کا اضافہ بھی نہ ہو۔

اِن مثنویوں میں کئی مقامات پر ایسی کچھ باتیں مذکور ہیں جن کا تعلق شیعہ عقائد یا روایات سے ہے۔ اِس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شاعر مذہباً شیعہ تھا۔ میں نے محض ازراہِ احتیاط ایسے مقامات کی وضاحت کے سلسلے میں یہ مناسب بل کہ ضروری خیال کیا کہ کسی راسخ العقیدہ شیعہ سے معلومات حاصل کروں۔ کسی شیعہ عالم یا فقہ جعفری کے ماہر سے میرے روابط نہیں۔ ایسے خاصگانِ بارگاہِ خداوندی سے ایک گناہ گار کے روابط

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:24
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

ہو بھی کیسے سکتے ہیں اور احتیاط کے تقاضوں کی پاس داری بھی لازم تھی۔ میرے حلقۂ متعلقین میں نیّر مسعود صاحب اِس لحاظ سے بھی متعارف حیثیت رکھتے ہیں۔ میں ایسے مقامات کے متعلق اُن سے دریافت کرتا رہا اور ضمیمۂ تشریحات میں اُنھی کے خطوں کی متعلقہ عبارتوں کو درج کر دیا۔ یہ سب عبارتیں واوین میں ہیں۔ ہر جگہ حوالہ کیا دیا جاتا، اِس لیے یہاں یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ ضمیمۂ تشریحات میں جو تشریحی عبارتیں واوین میں مقید ہیں اور کسی کا حوالہ مندرج نہیں، وہ سب نیّر مسعود صاحب کے خطوں کے اقتباسات ہیں۔ اِس طرح دُہرا فائدہ ہوا؛ یہ اطمینان ہو گیا کہ صحیح باتیں لکھی جائیں گی اور بہت سے جھگڑوں سے بھی بچ گیا۔ مجھے مولانا حالؔی کا یہ شعر یاد تھا:

جھگڑوں میں اہلِ دیں کے نہ حالؔی پڑیں بس آپ
قصّہ حضور سے یہ چُکایا نہ جائے گا

متن کے بعد چار ضمیمے شامل کیے گئے ہیں۔ پہلا ضمیمہ تشریحات کا ہے، جس میں مختلف اشعار سے متعلق ضروری وضاحتیں شامل کی گئی ہیں۔ دوسرا ضمیمہ متن میں شامل خاص خاص الفاظ کے تلفظ اور املا سے متعلق ہے۔ تیسرا ضمیمہ اختلافِ نسخ کا ہے اور یہ چوتھا ضمیمہ الفاظ اور طریقِ استعمال سے متعلق ہے۔ شوقؔ کی مثنویاں لسانی مباحث کے نقطۂ نظر سے یوں خاص اہمیت اور حیثیت رکھتی ہیں کہ زبان اور بیان کے لحاظ سے یہ لکھنؤ کی اُس لسانی روایت سے ہم آہنگ نہیں جس کا سلسلۂ نسب ناسخؔ سے ملایا جاتا رہا ہے۔ دہلوی اثرات اِن میں نمایاں ہیں اور اِس لحاظ سے اِن مثنویوں کا لسانی جائزہ دل چسپ کام ہو سکتا ہے۔ اِس مختصر سے ضمیمے کو اِس ضرورت کا اشارہ نما سمجھنا چاہیے۔ اِس ضمیمے میں خاص خاص الفاظ، افعال اور جملے کے ٹکڑوں کو شامل کیا گیا ہے۔ اِس طرح ایک نظر میں مثنویاتِ شوقؔ کی لسانی صورتِ حال اور اُس کے مشتملات کا اندازہ کیا جا سکے گا۔ اِس ضمیمے سے متعلق بعض باتیں مقدمے کے ایک ذیلی عنوان "زبان و بیان" کے تحت بھی بیان میں آگئی ہیں، اُنھیں بھی اِسی ضمیمے کا حصّہ سمجھنا چاہیے۔ ہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ تیسرے ضمیمے "اختلافِ نسخ" میں متنِ اشعار کے اُن اختلافات کو شامل نہیں کیا گیا ہے جو ضمیمۂ تشریحات میں زیرِ بحث

162
415
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:24
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

آ گئے ہیں۔

آخر میں فرہنگ ہے۔ اکثر الفاظ کے سامنے قوسین میں اُس شعر کا نمبر شمار لکھ دیا گیا ہے جس میں وہ لفظ آیا ہے۔ جو لوگ شاملِ فرہنگ الفاظ کے محلِ استعمال کو دیکھنا چاہیں گے، اِس طرح اُن کو وہ شعر آسانی کے ساتھ مل جائے گا۔ یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ فرہنگ میں الفاظ کے وہی معنی لکھے گئے ہیں جن معانی میں وہ متعلقہ اشعار میں استعمال میں آئے ہیں۔

عزیزوں اور دوستوں کی مدد شاملِ حال نہ ہوتی تو اِس کام کا تکمیل کو پہنچنا مشکل تھا، اِس لیے اُن کا شکریہ ادا کرنا من جملۂ واجبات ہے۔ نیّر مسعود صاحب نے مثنویات کے کئی اہم نسخے بلا تکلف میرے پاس بھیج دیے اور خطوں کے جواب پابندی سے لکھتے رہے۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ مطلوبہ نسخوں کے عکس بھیجے۔ رضا لائبریری رام پور میں اِن مثنویوں کے کئی نسخے ہیں۔ اِس کتاب خانے کا آج کل جو احوال ہے، اُس کے پیشِ نظر اُن نسخوں سے استفادہ میرے لیے گویا ناممکن تھا۔ اِس مشکل کو حل کیا عزیزِ مکرّم ڈاکٹر شعائر اللہ خاں نے کہ مطلوبہ نسخوں کے عکس بنوا کر بھیج دیے۔ اُن کا خاص طور پر شکر گزار ہوں۔ گلزارِ نسیم کی تدوین میں بھی اِسی طرح اُنھوں نے بہت مدد کی تھی اور متعدد نسخوں کے عکس بھیجے تھے۔ مثنوی زہرِ عشق کا نظامی اڈیشن اب کم یاب ہے۔ محبی شمس الرحمان فاروقی صاحب کے پاس اُس کی اشاعتِ ثانی کا ایک نسخہ تھا، میری فرمایش پر موصوف نے بہت اہتمام کے ساتھ اُس کا عکس بنوا کر بھیجا۔ نیز الٰہ آباد کے اسٹیٹ آرکائوز میں زہرِ عشق سے متعلق کاغذات کے سلسلے میں معلومات بہم پہنچائی۔

سیّد عروج زیدی بدایونی مرحوم میرے خاص کرم فرما تھے، اُن کے صاحب زادے عزیزی عرفان زیدی نے [جو اب رام پور کے ہو کر رہ گئے ہیں] معلوم نہیں کہاں سے زہرِ عشق کے نظامی اڈیشن [اشاعتِ ثانی] کا ایک نسخہ ڈھونڈ نکالا اور میرے پاس

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

5:24

فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org

بھیج دیا۔ ذاکر بدایونی کے احوال سے میں بے خبر تھا، بس یہ معلوم تھا کہ نظامی بدایونی نے قاموس المشاہیر میں اُن سے متعلق کچھ لکھا ہے۔ شمس بدایونی صاحب نے میری درخواست پر قاموس المشاہیر کی متعلقہ عبارت نقل کرکے بھیج دی تھی۔ اِس سلسلے میں بھی عزیزی عرفان نے مدد کی۔ جناب ضیا علی خاں اشرفی بدایونی نے اپنی کتاب مردانِ خدا میں ذاکر کا حال نسبتاً تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ میں اِس کتاب سے بے خبر تھا۔ عرفان زیدی کی فرمایش پر ضیا علی خاں صاحب نے مردانِ خدا سے متعلقہ عبارت خود نقل کرکے بھیجی۔ عرفان زیدی کا شکریہ کیا ادا کروں، وہ تو میرے لیے عزیزِ قریب کی حیثیت رکھتے ہیں؛ اُن کی سعادت مندی اور دل سوزی کا اعتراف کرتا ہوں اور ضیا علی خاں صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں زحمت فرمائی کے لیے۔

محبِ مکرم اسلم محمود صاحب نے بہت دل چسپی اور تعلقِ خاطر کے ساتھ لکھنؤ کے اسٹیٹ آرکائوز میں زہرِ عشق سے متعلق کاغذات کی تلاش میں حصہ لیا۔ اسلم محمود صاحب جیسے مخلص اب کم یاب ہیں۔ ڈاکٹر اکبر حیدری نے ایک طویل مضمون کا عکس بھیجا اور ایک قلمی مجموعہ "مثنویاتِ شوق" بھیجا۔ ڈاکٹر گیان چند جین اور ڈاکٹر عقیل رضوی نے بعض ضروری کتابیں فراہم کیں۔ جین صاحب نے شروع ہی سے اِس سلسلے کی کتابوں کی ترتیب میں دل چسپی لی ہے اور ہمیشہ آمادۂ تعاون رہے ہیں، میں اُن کا ممنون ہوں۔ ایم۔ حبیب خاں صاحب نے کئی کتابوں کی تلاش میں اور کئی مثنویوں کے عکس کے حصول میں مدد کی۔ اُن کی کوششوں کا اعتراف کرتا ہوں اور شکرگزار ہوں۔ اِن سب احباب کی مدد شاملِ حال نہ ہوتی تو یہ کام اِس انداز سے مکمل نہیں ہوسکتا تھا۔

میں ڈاکٹر خلیق انجم کا بہ طورِ خاص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ دہلی جیسے بے کراں اور بے اماں شہر میں اُن کی غم گساری میرے لیے وجہِ تسکین رہی ہے۔ اِس سلسلے کی کتابوں کی تیاری پر وہ جس طرح مسلسل اصرار کرتے رہے اور بہت سی آسانیاں فراہم کرتے رہے، اُس سے کام کی رفتار مدھم نہیں ہونے پائی۔ اُنھوں نے جس اہتمام کے ساتھ اِس سلسلے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

5:24
فریب عشق، بہار عشق...
rekhta.org
مثنویات شوق

اُن کے پُرخلوص طرزِ عمل کا معترف ہوں۔

اِس سلسلے کی تین کتابیں اِس سے پہلے چھپ چکی ہیں، فسانۂ عجائب، باغ و بہار، گلزارِ نسیم۔ اہلِ نظر نے اُن کو توجہ کی نظر سے دیکھا تھا۔ فسانۂ عجائب اِس سلسلے کی پہلی کتاب تھی جو ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ اِس سال یعنی ۱۹۹۶ء کے اوائل میں اُس کا دوسرا اڈیشن سامنے آگیا ہے۔ اِس سے بھی اِس سلسلے کی کتابوں کی مقبولیت کا تھوڑا بہت اندازہ تو لگایا ہی جاسکتا ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ اُسی سلسلے کی یہ چوتھی کتاب بھی اہلِ نظر کی پسندیدگی سے محروم نہیں رہے گی۔

کلاسکی متون کی تدوین کے اِس پروگرام میں مثنوی سحرالبیان، نوطرزِ مرصع، قصائدِ سودا کا مجموعہ، امراؤ جان ادا اور غرائبُ اللغات شامل ہیں؛ توقع کرتا ہوں کہ یہ کتابیں بھی اِسی انداز سے مرتب ہوسکیں گی [اگر عُمر اور صحت نے رفاقت میں کوتاہی نہ کی] اور کلاسکی متنوں کی تدوین کی وہ روایت، اُردو میں جس کا آغاز مولانا امتیاز علی خاں عرشی سے ہوتا ہے، اُن کے ایک تلمیذِ معنوی کے واسطے سے اُس روایت میں توسیع کے نئے اجزا شامل ہوتے رہیں گے۔

کیست کز کوششِ فرہاد نشاں باز دہد
مگر آں نقش کہ از تیشہ بہ خارا ماند

رشید حسن خاں
۱۶۷۔ باڑہ زئی دوم، شاہ جہان پور
۳۰ر جون ۱۹۹۶ء

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner